

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188948

UNIVERSAL
LIBRARY

OUP-787-13-6-75-10,000.

U891.5135

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۹۱۳۹ Accession No. G 289

Author ابن سينا زکریا ۴۸۹

Title کتاب فی الطب

This book should be returned on or before the date last marked below.

۸
سلسلہ انجمن ترقی اُردو نمبر ۱۲۱

حکایاتِ رومی

پہلا حصہ

ترجمہ از

مرزا نظام شاہ صاحب لیب

بنظر ثانی

مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

شایع کردہ

انجمن ترقی اُردو (دہندہ) دہلی

۱۹۳۹ء

فانصاحب عبداللطيف نے لطيفی پريس دہلي ميں چھاپا

اور

مينجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلي سے شایع کیا

دیباچہ

مولانا رومی قدس سرہ العزیز کی مثنوی شریف میں صدہا حکایات، محاضرات و مطاببات شامل ہیں اور دوسرے محاسن و کمالات کے علاوہ اس بزرگ کتاب کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ تمثیل کے پیرائے میں اخلاق و نفسیات کے باریک مسائل اور تصوف و روحانیت کے صدہا رموز و اسرار کو اس طرح بیان کیا ہے کہ نہ صرف دماغ بلکہ دل میں اُتر جاتے ہیں۔ مجھے ایک مدت سے خیال تھا کہ ممکن ہو تو ان قصص و حکایات کو یکجا اردو میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ ہمارے ملک کے عام ناظرین اور طلبہ بھی حضرت مولانا کے دریائے فیوض و برکات سے بقدر توفیق بہرہ مند ہو سکیں۔ اپنی کم فرصتی کے باعث بعض اہل قلم احباب سے بھی تحریک کی۔ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے نے مثنوی شریف کو نئی ترتیب کے ساتھ ”مرآة المثنوی“ کے نام سے شائع کیا اور حکایات کے موتی جو اصل کتاب میں دُور دُور تکے ہوئے ہیں، انہیں ایک جگہ لڑیوں میں پرو دیا۔ اس سے کمری مرزا نظام شاہ صاحب لیبیب (گورگانی) کو تجویز کے مطابق، ترجمہ کرنے میں بڑی سہولت ہو گئی۔ صاحب عالم اُردو زبان کے کہنہ مشوق ادیب اور شاعر اور اسی کے ساتھ دریائے تصوف کے دانا و بیٹا سیاح ہیں۔ انہوں نے ان حکایات کا ترجمہ بڑے ذوق شوق سے قلمِ معلّٰی کی ٹکسالی زبان میں کیا۔ کہیں کہیں اپنے مستقر ثانی، حیدرآباد کے محاوروں میں چاشنی دے کر اسے اور مزیدار بنا دیا۔ لہٰذا:

متن کے لفظ و معنی کی پابندی سے مترجمہ کہانیوں میں بھی اسلامی تصوف کا اتنا گہرا رنگ آگیا کہ عام اردو ناظرین کے واسطے کتاب دشوار اور پیچیدہ نظر آنے لگی اور اس خیال سے کہ اصل مقصد ہاتھ سے جانے نہ پائے، بجز اس کے چارہ نہ رہا کہ اردو ترجمے کی غور و احتیاط سے نظر ثانی کی جائے اور وہ حکایتیں یا تشبیحات جو خالص مذہبی رنگ کی یا محض مسلمانوں کی اعتقادی ہیں، حذف کر دی جائیں (۲) بعض قصے جو اپنی جگہ پر مناسب ہیں لیکن علیحدہ منتخب کیے جانے میں ان کی عریانی بچوں یا عورتوں کے سامنے لانے کے لائق نہیں رہی ان کو چھوڑ دیا جائے۔ (۳) جہاں استدلال زیادہ دقیق یا دلائل طولانی اور مکرر آگئے ہیں، وہاں اختصار و سادگی سے کام لیا جائے۔ غرض یہ کہ کتاب صرف کہانیوں کا مجموعہ اور ہر پڑھنے والے کی دلچسپی کا باعث رہے۔ ہاں اس کے ضمن میں اخلاقی نصائح اور حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگانہ تعلیم کا پیرایہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ فقط

سید ہاشمی (فرید آبادی)

دہلی۔ شعبان ۱۳۵۸ھ

فہرست مضامین حکایاتِ رمی

حصہ اول

دفتر اول ثنوی شریف

صفحہ

- ۱ - بادشاہ اور کنیز - - - - - ۱
- ۲ - ایک طوطے کا گھنچے فقیر کو اپنی طرح سمجھانا - - - - - ۹
- ۳ - ایک یہودی وزیر کا کرد و فریب سے نصرائیوں میں تفرقہ ڈلوانا - - - - - ۱۰
- ۴ - ایک خرگوش کا شیر کو مکر سے ہلاک کرنا - - - - - ۱۴
- ۵ - لہڑ بڈکے دعوے پر کوتے کا طعنہ اور لہڑ بڈ کا جواب - - - - - ۲۳
- ۶ - حضرت عمرؓ کے پاس سفیر قیصر کا آنا - - - - - ۲۵
- ۷ - ایک مفید طوطی کا ہندوستان کے طوطیوں کو پیغام بھیجنا - - - - - ۲۶
- ۸ - ایک بوٹے چنگی کا گورستان میں خدا کے واسطے جنگ بجانا - - - - - ۳۰
- ۹ - ایک اعلیٰ کا خلیفہ بغداد کے پاس کھاری پانی بطور تحفہ لے جانا - - - - - ۳۲
- ۱۰ - نحوی اور کشتی بان - - - - - ۳۸
- ۱۱ - ایک قزوینی کا گوند اللوانا - - - - - ۳۸
- ۱۲ - شیر، بھیڑیے اور لومڑی کا بل کرشکار کرنا - - - - - ۴۰
- ۱۳ - ایک شخص کا در محبوب کی گندڑی کھٹکھٹانا - - - - - ۴۲
- ۱۴ - ایک دوست کا حضرت یوشن سے ملنے آنا اور حضرت یوشن کا اس سے یہ طلب کرنا - - - - - ۴۲
- ۱۵ - صنعت نقاشی میں چینوں اور رومیوں کا مقابلہ - - - - - ۴۴
- ۱۶ - غلاموں کا لغمان پر الزام لگانا کہ سب میوے کھا گیا - - - - - ۴۵
- ۱۷ - ایک شہر کو آگ لگنی حضرت عمرؓ کے زمانے میں - - - - - ۴۶
- ۱۸ - حضرت علیؓ پر ایک کافر کا تھوکن اور آپ کا اس کے قتل سے باز رہنا - - - - - ۴۶

ب

دقتبر دوم مثنوی شریف

صفحہ

- ۱۹ - حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص کا خیال کو ہلال سمجھ لینا ۴۹
- ۲۰ - ایک چور کا دوسرے سنپیرے کا سانپ چرا لینا ۵۰
- ۲۱ - ایک ہمراہی کا حضرت عیسیٰؑ سے ہڈیوں کو چلا دینے پر اصرار کرنا ۵۰
- ۲۲ - ایک صوفی کا اپنا پتھر خادم خانقاہ کے حوالے کرنا اور خود بے فکر ہو جانا .. ۵۲
- ۲۳ - شیخ احمد خضرویہؒ کا قرض خواہوں کے لئے حلو خریدنا ۵۴
- ۲۴ - ایک گتوار کا اندھیرے میں شیر کو کھانا ۵۶
- ۲۵ - ایک مسافر کے گدھے کو صوفیوں کا بیچ کھانا ۵۸
- ۲۶ - مفلس اور کھاؤ قیدی کی منادی ۶۰
- ۲۷ - ایک شخص کا بر بنائے بنامی ماں کو مار ڈالنا ۶۲
- ۲۸ - ایک بادشاہ کا دو نو خرید غلاموں کا امتحان لینا ۶۳
- ۲۹ - ایک پیاسے کا دیوار کی اینٹ توڑ کر ندی میں پھینکنا ۶۵
- ۳۰ - ایک شخص کا سربراہ کانٹوں کی جھاڑی کو اُگنے دینا ۶۶
- ۳۱ - ذوالنون مہرئیؒ کا اپنے کو دیوانہ بنانا اور دوستوں کا بیمار پرسی کو آنا .. ۶۷
- ۳۲ - خواجہ لقمان کی آزمائش ۶۹
- ۳۳ - چرواہے کی مناجات پر موسیٰؑ کا انکار ۷۰
- ۳۴ - ایک سونے والے کو جس کے حلق میں سانپ گھس گیا تھا ایک ترک کا ٹکے مارنا .. ۷۳
- ۳۵ - بے وقوف کا بھروسہ بچہ کی دوستی پر ۷۴
- ۳۶ - دیوانے کا جالینوس کی طرف توجہ کرنا ۷۶
- ۳۷ - ایک صحابی کا بیمار ہونا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیادت کو جانا .. ۷۷
- ۳۸ - موسیٰ کو حق تعالیٰ سے وحی ہونا کہ ہماری بیمار پرسی کو کیوں نہیں آیا ۷۸
- ۳۹ - ایک باغبان کا صوفی و فقیہ و علوی کو ایک دوسرے سے جُدا کرنا ۷۹
- ۴۰ - مرید کا مکان تعمیر کرنا اور پیر کا امتحان لینا ۸۱

- ۴۱ - ایک سائل کا حیلے سے بہلوں سے بھید کہو لینا ۸۲
- ۴۲ - کدو وال کا ایک شرابی کو قید خانے کا حکم دینا اور اس کا جواب ۸۳
- ۴۳ - اہلیس کا نماز کے لیے معاویہ کو بیدار کرنا ۸۴
- ۴۴ - ایک شخص کا نماز جماعت نہ ملنے پر حسرت کرنا ۸۶
- ۴۵ - ایک چور کا صاحب خانہ سے ہاتھ چھٹا کر بھاگنا ۸۸
- ۴۶ - منافقوں کا مسجد منرار تعمیر کرنا ۸۹
- ۴۷ - چار ہندوستانیوں کا نماز میں بات کرنا ۹۱
- ۴۸ - ڈاکوؤں کا دو شخصوں میں سے ایک کو مار ڈالنے کا قصد کرنا ۹۲
- ۴۹ - ایک ہڈے کا طبیب سے شکایت مرض کرنا اور طبیب کا جواب دینا ۹۲
- ۵۰ - ایک لڑکے کا اپنے باپ کا ماتم کرنا اور محزے کی اس پر رائے زنی ۹۳
- ۵۱ - اعرابی جس نے وزن کی خاطر گونی میں ریت بھر لی تھی ۹۴
- ۵۲ - ایک شخص کا دعویٰ کہ خدا گناہ پر میری گنت نہیں کرتا اور حضرت شیخ کا جواب .. ۹۶
- ۵۳ - ایک چوہے کا اونٹ کی نیکیل کھینچنا ۹۷
- ۵۴ - ایک بڑے ٹھوٹی صوفیوں کو صوفیوں کا بڑا بھلا کہنا ۹۸
- ۵۵ - بادشاہ کا ایک درخت کی تلاش کرنا کہ جو اس کا میوہ کھائے وہ کبھی نہ مرے ۹۹
- ۵۶ - زبان نہ جاننے کی وجہ سے انگو پر چار آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ۱۰۱
- ۵۷ - تپتے بیابان میں ایک شیخ کا نماز پڑھنا اور اہل کاروں کا حیران رہ جانا ۱۰۲
- دفتر سوم مثنوی شریف**
- ۵۸ - حضرت بلالؓ کا "تھی" "کو" "ہی" کہنا ۱۰۳
- ۵۹ - خدا کا موٹی کا حکم دینا کہ مجھ کو اس منہ سے بلا جس سے کبھی گناہ نہ کیا ہو ۱۰۴
- ۶۰ - بندہ عاجز کا اللہ اللہ کرنا ہی عین خدا کا جواب دینا ہے ۱۰۵
- ۶۱ - دیہاتی کا شہری کو قسطن سے دوست بنانا ۱۰۶
- ۶۲ - مجنون اور سیلی کی گل کا کتا ۱۱۱

- ۶۳ - ایک گیدڑ کی شیخی جو رنگ کے تندولے میں گر پڑا تھا۔ ۱۱۲
- ۶۴ - ایک شیخی خورے کا ہونٹ اور موچوں کو چربی سے چکھانا ۱۱۳
- ۶۵ - ایک سنپیرے کا ٹھٹھے ہوئے اڑدے کو بغد ادیس لانا ۱۱۴
- ۶۶ - لوگوں کا اندھیری رات میں ہاتھی کی شناخت پر اختلاف کرنا ۱۱۶
- ۶۷ - کنعان کا نوح کے بلانے کو نہ ماننا ۱۱۶
- ۶۸ - حیرت کا غلبہ بحث و فکر کو روک دیتا ہے۔ ۱۱۸
- ۶۹ - کسی چاہنے والے کا اپنے مطلوب کے سامنے خط پڑھنا ۱۱۹
- ۷۰ - ایک شخص کا بے محنت روزی حلال طلب کرنا ۱۲۰
- ۷۱ - لڑکوں کا اُساد کو وہم سے بیمار ڈالنا ۱۲۷
- ۷۲ - ایک زاہد کا بے قراری میں اپنا عہد توڑ دینا ۱۳۰
- ۷۳ - ایک شخص کا سنار سے ترازو مانجھنا اور سنار کا جواب ۱۳۲
- ۷۴ - حضرت عیسیٰؑ کا احمقوں سے دور بھاگنا ۱۳۳
- ۷۵ - دور بہن اندھا، تیز سننے والا بہرا اور دراز دامن ننگا ۱۳۵
- ۷۶ - غلام جو مسجد سے باہر نہ آتا تھا ۱۳۷
- ۷۷ - ایک شہباز کا حضرت رسول اللہ کا موزہ اُڑالے جانا ۱۳۸
- ۷۸ - ایک شخص کا موسیٰ سے چو پاپوں کی زبان سیکھنا ۱۳۹
- ۷۹ - حضرت حمزہؓ کا میدان جنگ میں ذرہ پہنے بغیر آنا ۱۴۳
- ۸۰ - امیر بخارا کے غلام کا فرار ہونا اور واپس آنا ۱۴۴
- ۸۱ - ایک لڑکے کا تقارے کے اونٹ کو ڈھول سے ڈرانا ۱۴۶
- ۸۲ - پتھر کی فریاد حضرت سلیمانؑ کے پاس ۱۴۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بادشاہ اور کنیز

دوستو! ایک قصہ سنو، جو ہمارے حال پر صادق آتا ہے۔ اگر اپنے حال کو ہم پر رکھتے رہیں تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ پھل پائیں :-
اگلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جسے دنیا و دین دونوں کی بادشاہی حاصل تھی۔ ایک دن شکار کے لیے مصاحبوں کے ساتھ سوار ہو کر نکلا۔ گھوڑا دوڑاتا پھرتا تھا کہ یکایک عشق کا شکار ہو گیا۔

سہراہ ایک لوندی نظر پڑی کہ دیکھتے ہی دل و جان سے اس کا غلام ہو گیا، منہ بولی قیمت دے کر لوندی کو مالک سے خریدا اور بادشاہ بیگم بنالیا۔ اتفاق دیکھیے کہ وہ بیمار ہوئی۔ بادشاہ نے اپنے ملک اور بیرون سلطنت کے حاذق حکیموں کو علاج کے لیے جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ میری جان بھی اسی کی زندگی پر منحصر ہے، بلکہ یقین جانو کہ خود میں بیمار ہوں اور جب تک وہ اپنی نہ ہو جائے میں تندرست نہیں ہو سکتا۔ جو طبیب مرض شناس میری جان کو آسائش پہنچائے گا وہ بے اندازہ دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

طیبوں نے عرض کیا کہ ای بادشاہ ہم میں سے ہر ایک مسیحِ زمانہ ہو، بھلا وہ کون سی بیماری ہو جس کی دوا ہمارے پاس نہیں، ہم اپنی جان لڑادیں گے اور تشخیصِ مرض و علاج میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیں گے۔

انہوں نے شیخی میں یہ بھی نہیں کہا تھا کہ خدا چاہے گا تو علاج کامیاب ہوگا۔ خدا نے اپنی قدرت کے آگے انسانی تدبیر کی کم زوری اس طرح ظاہر کی کہ انہوں نے علاج میں جس قدر زیادہ سرگرمی دکھائی اسی قدر بیماری اور بڑھتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کنیز سوکھ کے کاٹھا ہو گئی اور اُدھر یہ حال کہ روتے روتے بادشاہ کی آنکھوں سے خون کے دریا بہ نکلے۔

خدا کی قدرت! سکنجبین سے صفر اور روغنِ بادام سے خشکی پیدا ہوتی تھی۔ ہڑ سے قبض ہونے لگا۔ غرض دواؤں کی تاثیر اتنی بدلی کہ جو چیز مریضہ کی صحت اور آرام کے لیے دی جاتی تھی اس سے تکلیف ہوا ہو جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ بیمار کا دل ضعیف ہو گیا، نیند بالکل اُچٹ گئی، آنکھوں میں جلن اور دل میں دھڑکن بہتے لگی نتیجہ یہ کہ سارے شہر بیت، دوائیں اور تیمارداری کے سامان بے کار ثابت ہوئے اور طبیب بھی شرمندہ ہوئے اور طبیبوں کی ساری شیخی کر کر ہی ہو گئی۔

جب بادشاہ نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ طبیبوں کے بنائے کچھ نہیں بنی تو ایک رات ننگے پاؤں مسجد میں پہنچا اور سجدے میں گر کر اس قدر پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ سجدے کی جگہ آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ جب ذرا دل ٹھیرا تو دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ بارِ الہا! سارے جہان کی بادشاہت بخش دینا تیری ادنیٰ بخشش ہے اس کے مقابلے میں یہ بندہ جو آرزو لے کر حاضر ہوا ہے وہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔ ہماری ساری دوا دوش اور ان طبیبوں کی تدبیریں تیری رحمت کے اشارے کے آگے گرد ہیں۔ ای سارے

عالم کے حاجت روا! ہم نے بہت ہی غلط راستہ اختیار کیا کہ تجھ سے مدد نہ چاہی اور اپنی کم زور تدبیروں پر اڑے رہے۔ اسی سارے جہان کی فریاد سننے والے! تو نے خود ہی فرما دیا، کہ میں ہر بندے کے دل کی بے تابی سے واقف ہوں مگر بخشش اور عطا اُسی پر کی جاتی ہے جو علانیہ بھکاری بن کر ہماری بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے!

بادشاہ نے ایسی تڑپ کر دعا کی تھی کہ دریا سے رحمت میں جو شش آگیا۔ بادشاہ کو نیند کی سی غنودگی طاری ہوئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک مرد بزرگ تشریف لائے ہیں، فرماتے ہیں کہ اسی بادشاہ! مبارک ہو تیری دُعا قبول ہوئی۔ کل ہمارا بھیجا ہوا ایک مسافر آئے گا، وہ بڑا دانا حکیم ہے اور اس کی حذاقیت میں ذرا شک نہیں اس لیے تجھ پر لازم ہے کہ اس کی ہر ہدایت کی تعمیل کرے اس کے علاج کی کرامت تجھے خود معلوم ہو جائے گی۔ بادشاہ یہ خواب دیکھتے ہی چونک اٹھا غفلت کے پردے اٹھ

گئے۔ کینیز کی محبت نے غلام بنا رکھا تھا اب گویا از سہر نو آزادی اور بادشاہی پائی جب دن نکلا اور آفتاب مشرق سے برآمد ہوا تو بادشاہ بالا خانے کے برآمدے میں آ بیٹھا۔ راستے پر نگاہ لگی ہوئی تھی کہ دیکھے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک مرد بزرگ صاحب کمال سامنے میں دھوپ کی طرح چلے آتے ہیں۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ سر سے پیر تک نور جھمک رہا ہے۔ بادشاہ خود پیشوائی کو آگے بڑھا۔ اس غیبی مہمان سے بادشاہ اس طرح مذاجس طرح کہ شکر گلاب کی پتیوں میں پیوست ہو جاتی ہے۔ یوں سمجھو کہ جیسے دو جانیں باہم بنیہ ہو کر ایک ہو رہی تھیں۔ ان کی ایسی مثال تھی جیسے ایک پیاسا اور دوسرا پانی یا ایک مری پرست اور دوسرا شراب، الغرض لے

دیکھ کر بادشاہ نے (اپنے جی میں کہا) کس کہ ای مردِ خدا میرا معشوق تو دراصل تو تھا لیکن جہان میں ایک کام دوسرے کام کے ذریعے سے پیدا ہوا کرتا ہے سو اس عشق کا ذریعہ کنیز کا عشق ہوا۔ ای فرستادہ خدا! تو میرے حق میں مصطفیٰ کا درجہ رکھتا ہے۔ اب میں عمر کی طرح تیری خدمت و اطاعت پر مکر بستہ ہوں گا۔

الغرض بادشاہ باوجود شوکت و حشمت کے بالکل فقیرانہ خاکساری کے ساتھ اپنے جہان کے سامنے گیا۔ کبھی ہاتھوں کو چومتا، کبھی پیشانی کو بوسہ دیتا، کبھی وطن اور سفر کا راستہ دریافت کرتا، یوں ہی پوچھتا پوچھتا اپنے ایوانِ شاہی میں لے گیا اور جی میں خوش ہو کر کہنے لگا کہ میں نے یہ بے قیاس دولت تو پائی مگر بڑے صبر کے بعد۔ صبر تلخ تو ہوتا ہے لیکن اس کا پھل میٹھا اور نتیجہ کامیاب دیکھا۔

جہان کو کھانا کھلایا اور ماندگی سفر دور ہونے کے بعد حرم سرا کے شاہی میں لے جا کر بیمار کو دکھایا اور احوال مرض بیان کیے۔ وہ خدا کے ولی بیمار کے پاس بیٹھ گئے، چہرے کا رنگ، نبض، قارورہ وغیرہ دیکھ کر مرض کی علامتیں اور تمام ابتدائی اسباب دریافت کر کے کہا کہ جو دو ان طبیبوں نے کی وہ سب بالکل غلط تھی۔ ولی اللہ نے ظاہری صورت سے پوشیدہ مرض تاڑ لیا لیکن بادشاہ کو اس کی خبر نہ دی۔ دراصل اس کی بیماری صفرا یا سودا کی زیادتی سے نہ تھی۔ ہر لکڑھی اپنے دھنویس سے پہچانی جاتی ہے، جب ولی اللہ نے پہچان لیا کہ اسے دل کی بیماری ہے اور باقی بالکل تندرست ہے تو بادشاہ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ ای بادشاہ مجھے مر لیضہ سے کچھ پوچھنا ہے، جاہتا ہوں کہ

سب اپنے بیگانے یہاں سے الگ کر دیے جائیں۔ بادشاہ نے محل میں تنہائی کرادی اور خود بھی باہر چلا گیا تاکہ ولی اللہ اپنے حسبِ منشا حال دریافت کر سکیں۔

جب سارا محل خالی ہو گیا اور سوائے بطیب و مریض کے کوئی نہ رہا تو اُن بزرگ نے آہستہ آہستہ سوالات شروع کیے کہ تمہارا شہر کون سا ہے کیوں کہ ہر شہر کا طریقِ علاج الگ ہوتا ہے اور تمہارے قرابت دار کون کون ہیں، ان میں زیادہ نزدیک کے عزیز کون ہیں اور ان میں سب سے زیادہ محبت کن سے ہے۔ نبض پر ہاتھ رکھ کر زمانے کے تلخ و ترش کی داستانیں سننے لگے۔ مریضہ بھی حکیم کو کامل پا کر ہر راز کو فاش کرنے لگی، جہاں جہاں وہ فروخت ہوئی اور جن جن شہروں میں رہی سب حال صاف صاف بیان کیا۔ وہ بزرگ سلسلہ وار اس کی داستان سن رہے تھے لیکن پوری توجہ اس کی نبض پر تھی کہ دیکھیں کس کے ذکر پر نبض غیر معمولی حرکت کرتی ہے۔ الفصہ کنیز نے اپنے شہر کے تمام دوستوں، عزیزوں کو گناہا اس کے بعد دوسرے شہر کا تذکرہ کیا مگر چہرے کے رنگ اور نبض کی حرکت میں کوئی فرق نہ آیا۔ یہ پوچھ گچھ یوں ہی آگے بڑھتی گئی، ایک ایک شہر اور ایک ایک مکان کے واقعے اور حادثے اس نے سنائے مگر نہ چہرے کے رنگ میں کوئی فرق آیا نہ نبض میں کوئی حرکت خلافِ معمول پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شہرِ قند کا ذکر زبان پر آیا۔ اس ذکر کے ساتھ ہی اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور بیان کیا کہ ایک سوداگر مجھے اس شہر میں لایا اور ایک مالک کے ہاتھ جو سنار تھا مجھے فروخت کر دیا، اس نے مجھے بھی مینے تک اپنے پاس

رکھا اور اس کے بعد بیچ ڈالا جب اس واقعے کو بیان کر رہی تھی تو غم کی آگ دفعتاً بھڑک اُٹھی، اس کی نبض حرکت میں آئی اور چہرا زرد پڑ گیا۔ جب ان بزرگ کو اس بھید سے آگاہی ہوئی تو مریضہ کی بیماری کے طول کھینچنے کا سبب معلوم ہو گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ وہ زرگر کس محلے اور کس بازار میں رہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ محلہ غافقہ میں پُل کے پاس رہتا ہے۔ جب سارے اتنے پتے پوچھ لیے تو ان بزرگ نے بہت کچھ دلاسا دیا کہ اب یقین کر کہ تیری بیماری گئی۔ چونکہ مجھے تیری بیماری کی اصلیت معلوم ہو گئی ہے، انشاء اللہ تیرے علاج میں جادو کی کیفیت ظاہر ہوگی۔ مگر ایک پابندی ضروری ہے وہ یہ کہ یہ بھید تو کسی سے بیان نہ کرے چاہے بادشاہ تجھ سے کتنا ہی کرید کرید کر پوچھے تو اس پر بھی ظاہر نہ کیجیو۔

پھر وہ بزرگ مریضہ کے پاس سے اُٹھ کر بادشاہ کے پاس آئے اور اپنی مصلحت کے مطابق مریضہ کا کچھ حال سنا کر مطمئن کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ حضرت اب تدبیر کیا ہے اور علاج شروع کرنے میں کیا دیر ہے۔ بزرگ نے کہا کہ اس کی بیماری کا علاج تو بس یہی ہے کہ سمرقند سے ایک سنار طلب کیا جائے اس کو انعام و اکرام کا امیدار بنایا جائے اور اس کے لیے اشرفیاں اور خلعت روانہ کیا جائے تاکہ وہ اس لالچ میں آکر تیرے پاس حاضر ہو اور تیرا محبوب اس کی ملاقات سے ایسا خوش ہو کہ یہ غم اور بیماری جاتی رہے۔ جب سنار تیری اتنی داد و ہش دیکھے گا تو وہ اپنے گھر بار سے جدا ہو کر ہمیں آ بیڑے گا۔

بادشاہ نے اس ہدایت کو دل و جان سے قبول کیا اور عرض کیا کہ جو حکم آپ دیں گے میں اسی کی تعمیل کروں گا۔ پھر دو امیر روانہ کیے جو بیڑے ذی شعور، امانت دار اور سچے تھے۔ وہ دونوں کے دونوں سمرقند پہنچے اور زرگر کو بادشاہ

کے بلاوے کی یہ خوش خبری دی کہ اوستا دتیرا چرچا تمام دنیا میں ہو رہا ہے، ہمارے بادشاہ نے زیورات کی تیاری کے لیے تجھے امیر بنا دینے کا ارادہ کیا ہے چنانچہ یہ خلعت اور دینار و درم تیرے لیے بھیجے ہیں اور جب دارالسلطنت میں حاضر ہو گا تو بادشاہ کا مصاحب خاص تو ہی رہے گا۔ زرگر نے جب اتنا کثیر مال اور بیش بہا خلعت دیکھا تو پھولانہ سما یا، اپنے وطن اور بال بچوں کو بھوڑ دینے کی ٹھان لی۔ خوشی خوشی طی مسافت کرنے لگا اور اس بات سے بے خبر تھا کہ بادشاہ نے اس کی جان لینے کا قصد کیا ہے۔ ایک عربی گھوڑے پر سوار ہو کر بہت تیزی سے دوڑاتا ہوا چلا اور اپنے خون بہا کو خلعت سمجھا جب وہ مرد مسافر دارالسلطنت میں پہنچا تو طبیب نے اس کو حضور شاہ میں بڑی خوشی اور انظارِ کامیابی کے ساتھ پیش کیا کہ وہ شمعِ حسن پر جلایا جائے۔

بادشاہ نے زرگر کی بہت خاطر کی اور سونے کا ایک ڈھیر اس کے سپرد کر کے حکم دیا کہ ہنسی، جھانجن، کمر پٹ، گھوڑوں کی زینت کے زیور اور وہ تمام برتن اور آرائشی ظروف جو بادشاہوں کی بزم کے لائق ہوں تیار کیے جائیں۔ زرگر نے وہ سب سونا لیا اور بالکل بے خبر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ان دلی اللہ نے سلطان سے عرض کی اے بادشاہ ذی جاہ اس کینزک کو زرگر کے حوالے کر تاکہ وہ اس کی ملاقات سے آرام پائے۔ بادشاہ نے حسینہ کو زرگر کے حوالے کر دیا۔ یہاں تک کہ دونوں کی خوب خلا ملا ہو گئی۔ چھ مہینے تک دونوں یک جان و دو قالب رہے۔ جب کینز کا دل بھر گیا تو حکیم نے زرگر کے واسطے ایک ایسا شربت تیار کیا کہ وہ پی کر روز بروز کم زور ہونے لگا۔ بیماری کی وجہ سے اس کا حسن و جمال پھیکا پڑنے لگا تو رفتہ رفتہ کینز کا دل بھی اُچھٹنے لگا اور جب بالکل بد شکل، بد مزاج اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تو بالکل ہی سرد ہو گیا۔

جوں جوں مردِ زرگر پر بیماری کا غلبہ ہوتا تھا وہ سونے کی طرح گھٹلا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ میں وہ مشکئی ہرن ہوں کہ صیاد نے جس کی نانت سے سارا خون نکال ڈالا ہو مگر جس نے اپنی غرض کے لیے مجھے موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ میرا خون یوں ہی سوتا کا سوتا نہیں رہے گا۔ جو بلا آج مجھ پر ہو کل اس پر بھی آئے گی، بھلا مجھ جیسے حسین و خوش رُو جوان کا خون ضائع ہو سکتا ہے۔ یہ آخری فقرے تھے جو کہتے کہتے ٹھنڈا ہوا اور کیز درد و رنج کی آفت سے چھوٹی کیونکہ قاعدہ ہی یہ ہے کہ مرنے والوں کے ساتھ عشقِ دیر پا نہیں ہوتا کیوں کہ وہ پھر پلٹ کر آنے والے نہیں مگر زندہ کا عشق نہ صرف جان میں بلکہ آنکھوں میں بھی پھول کی کلی کی طرح ہر دم تازہ رہتا ہے۔ لہذا تجھ کو اس زندہ سے عشق کرنا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور ایسا باقی ہے جو ہر آن تجھ کو شرابِ حیات پلاتا رہتا ہے۔ عشق اس کا اختیار کر جس کے عشق سے تمام انبیاء نے فروغ پایا اور یہ کہنا تو کوئی بات نہیں کہ اس بارگاہ تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ اجی! بڑے سے بڑے کام بھی دریادلوں کے ہاتھیں ہاتھ کا کھیل ہیں۔

ولی اللہ کی تدبیر سے مردِ زرگر کا مارا جانا نہ تو کسی خطاب کی توقع سے ہوا اور نہ کسی عتاب کے خون سے۔ بات یہ ہے کہ جب تک خدا کی طرف سے اشارہ نہ ہو انہوں نے صرف بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر یہ کام نہیں کیا اور بادشاہ نے بھی ایک بندہ خدا کا خون محض نفاذیت کے لیے نہیں کیا۔

وہ حکیم اغراضِ نفسانی سے بالکل پاک تھا اور جو کچھ اس نے کیا وہ نیکی پر مبنی تھا لیکن وہ نیکی ہدی کے پردے میں پوشیدہ تھی۔ اگر کسی مسلمان کا خون بہانا اس کا مقصد ہو اور باوجود اس کے میں اس کی تعریف کروں تو میں کافر! ادھر وہ بادشاہ بھی معمولی بادشاہ نہ تھا بلکہ باخدا اللہ کا خاص بندہ۔ تم اپنے

احوال و افعال کے کاغذ سے خدا کے پاک بندوں کے احوال و افعال پر تیس کرتے ہو مگر دراصل صحیح نتیجے سے تم بہت دُور جا پڑے ہو لہذا تم طریق انکار و اعتراض میں جلدی نہ کرو۔ دیکھو میں تمہیں ایک اور قصہ سناتا ہوں شاید تمہارا نصیب یاوری کرے اور تم کوئی اچھی نصیحت حاصل کر لو۔



ایک طوطے کا گنہ فقیر کو اپنی طرح سمجھنا

ایک پنساری کے پاس طرح طرح کی بولیاں بولنے والا، خوش رنگ طوطا تھا۔ وہ طوطا دکان کی نگہبانی کرتا اور آنے جانے والوں سے مزے مزے کی بولیاں بولتا تھا۔ ایک دن اتفاق یہ ہوا کہ مالک اپنے گھر گیا ہوا تھا اور دکان پر طوطا نگہبانی کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک بلی چڑھے پر دوڑی، طوطا اپنی جان بچانے کو جوہنی ایک طرف بھاگا تو گڑ بڑ میں روغنِ بادام کی بوتلیں لٹھک گئیں۔ جب مالک گھر سے واپس آیا تو دیکھا کہ تیل کے چکتوں سے تمام فرش چکنا ہو گیا ہے۔ پنیے نے خفا ہو کر طوطے کے سر پر ایک ایسا دھب لگایا کہ چوٹ کے صدمے سے وہ گنجا ہو گیا۔ کئی دن تک طوطے نے بولنا چالنا ترک کر دیا اور پنساری اپنی حرکت پر ہشیمان ہونے لگا۔ وہ اپنی ڈاڑھی نوچتا اور اپنے جی میں آپ کہتا کہ افسوس! کاش کہ میرا ہاتھ اس بُری گھڑی سے پہلے ہی ٹوٹ جاتا جس گھڑی میں نے اس کے سر پر دھب لگایا تھا۔ اسی ہشیمانی میں وہ ہر صاحبِ دل درویش کے آگے نذرانے پیش کرتا تھا کہ کسی طرح اس کا طوطا پھر بولنے لگے۔ اسی طرح کئی دن گزے گئے۔ پنساری حیران و پریشان اپنی دکان پر بیٹھا تھا اور دل میں غم و غصہ کھا رہا تھا کہ دیکھیے میرا طوطا کبھی بولے گا بھی یا نہیں کہ اتنے میں ایک ملنگ فقیر

چار ابرو کا صفا یا کیے اور اوندھے ہوئے پیالے کی طرح سر گھٹائے اس طرف سے گزرا۔ طوطے نے فوراً درویش پر آوازہ کسا اور کہا کہ ابے او گنجه! شاید تو نے بھی تیل کی بوتل گرائی ہے جو تجھے گنجا ہونا پڑا؟ سننے والے بے اختیار ہنس دیے کہ لوصاحب یہ طوطا فقیر کو بھی اپنی مانند سمجھتا ہے۔ لہذا تم اپنے احوال پر خدا کے پاک بندوں کا اندازہ نہ کرو۔ اگرچہ لکھنے میں شیر (درندہ جالوز) اور شیر کی شکل ایک ہے لیکن معنی میں زمین آسمان کا مل ہے۔ اکثر ایسا ہوا کہ لوگوں نے خدا کے نیک اور برگزیدہ بندوں کو نہیں پہچانا اور گم راہ ہو گئے۔



ایک یہودی وزیر کا مکرو فریب سے نصرانیوں میں تفریق ڈالنا

ایک یہودی بادشاہ بہت ظالم تھا وہ عیسیٰ کا دشمن اور عیسائیوں کا قاتل تھا اگرچہ زمانہ عیسیٰ کی تصدیق کا تھا مگر وہ موسیٰ کے نام پر دیوانہ تھا۔ اس نے سمجھ بادشاہ نے خدا کی راہ میں بھی خدا کے دو پیاروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔ وہ اپنی یہودیت کے تعصب میں بھینٹا سوچنے لگا تھا۔ اس نے لاکھوں عیسائیوں کو چن چن کر اس قدر ظلم سے مارا کہ موسیٰ کا دین بھی تھر تھر کانپنے لگا۔

مارے ڈر کے عیسائیوں نے طے کیا کہ اپنی اپنی جان بچائیں اور اپنے دین و مذہب کو فرشتے سے بھی چھپائیں۔ اس بادشاہ کا ایک وزیر رہزن دین و ایمان تھا۔ اپنے مکر سے پانی پر گرہ لگاتا تھا۔ اس نے عرض کی کہ ای بادشاہ! توجوان چھپے عیسائیوں کی تلاش میں مصروف ہو گیا ہے تو اس میں کامیابی نہ ہوگی کیوں کہ دین کوئی مشک و عود کی خوش بو تو ہے نہیں کہ الگ پہچانی جاسکے اس لیے یہ اصول پوری قوم کو تباہ کرنے کے لیے کچھ مفید نہیں۔ اس قوم کا دین سو غلافوں میں چھپ گیا ہے۔ اب ظاہر

میں یہ قوم تیری دوستی وہم مشربی کا دم بھرتی ہو مگر باطن میں بالکل مخالف ہو۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تم ہی بناؤ کیا تدبیر کی جائے کہ دنیا بھر میں نصرانی کا نام و نشان اور خفیہ طور پر بھی دین عیسوی کہیں باقی نہ رہے۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ! میرے کان اور دونوں ہاتھ کٹوادے اور ناک اور ہونٹوں کو چروا کے مجھے سوئی پر لٹکانے کی سزا تجویز کر۔ جب مجھے سوئی کے نیچے لایا جائے تو ایک شخص کو مقرر کر کہ وہ تیرے حضور حاضر ہو کر رحم کی التجا کرے۔ یہ سب کام ایسی عام جگہ ہونا چاہیے جہاں چوراہا ہوتا کہ خبر ہر طرف بہت جلد پھیل جائے۔ جب تو مجھے جان کی امان دے دے تو دیس نکالا کر کے شہر سے دُور کسی جنگل میں پھکوادے تاکہ پھر میں ان نصرانیوں میں فساد ڈنوادوں۔ وہ اس طرح کہ میں پکار پکار کر کہوں گا کہ ”اے دلوں کا بھید جاننے والے خدا تو واقف ہو کہ میں عیسائی زادہ ہوں ظالم بادشاہ کو خبر ہوگئی اور وہ اترتا تعصب میری جان کے پیچھے پڑ گیا۔ میں نے ہر چند چاہا کہ اپنا دین پوشیدہ رکھوں اور اپنے کو یہودی ظاہر کروں لیکن بادشاہ میرے بھید کی خوشبو پا گیا۔ اگر عیسیٰ مسیح کی روح میری پشت و پناہ نہ ہوتی تو وہ یہودیت کے نشے میں میرے پُرنے پُرنے کر دیتا۔ چھٹے اسکے واسطے میری جان ہلاک ہو یا سراٹ جائے تو کچھ پروا نہیں بلکہ ہزار ہا احسان مانوں کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ لیکن چونکہ میں دین عیسوی اور علم اناجیل میں کامل ہوں اس لیے یہ اذیت ضرور ہوگی کہ میں یہ دین پاک جاہلوں کے ہاتھ پڑ کر غارت نہ ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں اس دین برحق کا رہنا بنایا اور اس کی ذات سے امید ہے کہ وہ نصرانی قوم کو ہماری رہ نمائی میں ہدایت عطا فرمائے گا“

پھر جب نصرانی قوم دین میں میری ہدایتوں پر عمل کرنے لگے گی تو میں ان کے درمیان ایسے ایسے فتنے اور فساد پھیلاؤں گا کہ میری چالاکی پر شیطان بھی

حیران رہ جائے گا۔ ایسے ایسے حیلوں سے اُن کو فریب دوں گا اور اس قدر
افراط فری ڈالوں گا کہ آخر کار وہ آپس ہی میں فوں رہیں گے سب کے سب
ختم ہو جائیں گے۔

جب وزیر نے مکاری کی تدبیریں الف سے یا تک سنا دیں تو بادشاہ
خاطر جمع ہو گیا۔ اس کو بھرے مجمع میں بے عزت کیا تاکہ تمام رعایا اس کے حال
سے واقف ہو جائے اور پھر نصرانیوں کی آبادی کی طرف پھنکوا دیا کہ ان کو
دعوت دے کر مکر کے جال میں پھنسائے۔

عیسائیوں نے اس کو ان بُرے حالوں دیکھا تو اس کے درد و مصیبت
پر زار زار رونے لگے اور اس طرح رفتہ رفتہ ہزار ہا عیسائی اس کے پاس
جمع ہو گئے۔ وہ ان پر انجیل اور عقاید و عبادات کے باطنی حقائق کھولنے
لگا اور حضرت مسیح کے اقوال و افعال کا وعظ کرنے لگا۔ وہ بظاہر تو احکامِ مسیحی
کا وعظ کرتا تھا مگر باطن میں یہ وہ سیٹی تھی جو جال کے پیچھے چھپ کے پرندوں
کو بلانے اور پکڑنے کے لیے بجائی جاتی ہے۔ الغرض عوام الناس کی تقلید تو اندھی
ہوتی ہی ہے، سب عیسائی تو اس پر فریفتہ ہو گئی، دلوں میں اس کی محبت جڑ
پکڑ گئی اور اس کو عیسیٰ کا نائب سمجھنے لگے۔ وہ کافر وزیر عیسائیوں کا دینی پیشوا
بن گیا اور صلوسے میں لسن کا پُٹ دینے لگا۔ جو لوگ اہل ذوق تھے وہ اس کی تقریر
کی لذت میں ایک طرح کی کڑواہٹ بھی پاتے تھے کیونکہ وہ بعض مطالب اس
طرح چھپا کر بیان کرتا تھا جیسے گلقد میں نہ ہر ملا ہوا ہو۔ ایسی نیک بات کے دھوکے
میں نہ آنا چاہیے جس کی تہ میں سو بڑائیاں چھپی ہوئی ہوں۔ جو لوگ صاحب علم
و ذوق نہ تھے انہوں نے اس کی تقریروں کو گلے کا ہار بنا لیا تھا۔ یہاں تک
کہ چھی برس تک بادشاہ سے الگ رہ کر وہ تمام عیسائیوں کا پیشوا بن گیا۔ صلح

دین و دنیا کی تمام ذمہ داری مخلوق نے اسی پر ڈال دی اور اس کی ہاں نہ پر جان دینے لگی۔ باوجود اس کے بادشاہ سے پیام سلام جاری تھے اور بادشاہ اس کی کارروائیوں سے بالکل مطمئن تھا۔

آخر کار اپنی دلی مراد کے لیے بادشاہ نے خط لکھا کہ اے محسن یہود! اب تیرے کام کا وقت آن پہنچا، بہت جلد میرے دل کی کھٹک دور کر، میں تنہا سے تیری نادر تدبیر کے چلن کا انتظار کر رہا ہوں لہذا جلد ان عیسائیوں کی الجھن سے مجھے نجات دے۔ وزیر نے جواب دیا کہ اے بادشاہ میں توڑ جوڑ میں ہوں کہ دین عیسوی میں فتنہ بپا ہو جائے۔

اس نصرانی قوم میں بارہ امیر بڑے زبردست تھے جو اپنے قبیلوں پر حکومت کرتے تھے اور کوئی آدمی اپنے امیر قبیلہ کے حکم سے سزنا ہی نہ کرتا تھا اور یہ بارہ کے بارہ امیر اس مٹکار وزیر کے غلام ہو گئے تھے۔ سب کے سب اس کے قول کی تصدیق کرتے اور اس کے اعمال و افعال کی پیروی کرتے تھے اور اس کے اشارے پر جان دینے کے لیے تیار تھے۔

اب اس یہودی بچے نے چالاکی یہ کی کہ ہر امیر کے نام ایک ایک وصیت نامہ اس اہتمام سے لکھا کہ ہر ایک میں طریق عبادات اور دین کے معارف ایک دوسرے سے مختلف بلکہ بالکل متضاد تھے۔ کسی میں ریاضت کرنے اور بھوکے رہنے کی ہدایت تھی اور توبہ و انابت کی شرط تھی تو کسی میں لکھا تھا کہ ریاضت بے کار ہے، اس راہ میں جو دو سخا کے بغیر نجات نہیں۔ کسی میں لکھا کہ تیری بھوک پیاس اور تیری سخاوت یہ سب شرک ہے، سوائے توکل و تسلیم کے باقی سب کمزور کے پھندے ہیں۔ کسی میں لکھا کہ آدمی پر خدمت خلق واجب ہے اور توکل کا خیال محض فریب ہے۔ کسی میں لکھا کہ یہ جو دین میں امر و نہی کے احکام ہیں یہ اس لیے

نہیں کہ ان پر عمل کیا جائے بلکہ اس لیے کہ ہمارا یہ عجز ہم پر ثابت ہو کہ ہم ان کی پوری پوری تمہیل نہیں کر سکتے اور اس طرح ہم پر خدا کی قدرت اور ہیبت طاری ہو۔ کسی میں لکھا کہ اپنا عجز مست دیکھ، اپنا عجز دیکھنا تو خدا کی دی ہوئی نعمت سے انکار کرنا ہے بلکہ اپنی قدرت و اختیار کو اسی کی دی ہوئی نعمت اور عینِ حق سمجھ۔ کسی میں لکھا کہ قدرت و نعمت ان دونوں پر توجہ نہ کر سوائے خدا کے جو کچھ آدمی کے پیش نظر ہو وہ ہمت ہے۔ کسی میں لکھا کہ یہ عجز اور قدرت اور جہاں تک تیرا فکر پہنچے ان سب سے نظر پھیر لے کیوں کہ ہر دین والے اپنے اپنے نفس کی رہ نمائی میں چل کر ٹھوکر میں کھاتے رہے۔ کسی میں لکھا کہ یہ غور و فکر جو مشاہدہ حق کے لیے تو کرتا ہے یہ شیعہ راہ ہے اس کو کبھی سمجھنے نہ دے، اگر تو مراقبہ و مشاہدے کو ترک کر دے گا تو تیری شمع وصال آدھی رات کو تیرے ہی ہاتھوں ٹل ہو جائے گی۔ کسی میں لکھا تھا کہ اس مراقبہ و مشاہدے کی شمع کو بجھا دے کوئی خون نہ کرتا کہ آخرت میں ایک کا بدلہ ایک لاکھ پائے۔ کسی میں لکھا کہ جو کچھ خدا نے تجھے عطا کیا اور تجھ پر اسے آسان کر دیا اس کو خوشی خوشی لے اور اپنے آپ کو امتحان میں مت ڈال۔ کسی میں لکھا کہ یہ سارا عالم ایک ہی ہے جو شخص خدا اور بندے کو الگ الگ دیکھتا ہے وہ بھینگا ہے۔ کسی میں لکھا کہ یہ کثرت ایک کیونکر ہو سکتی ہے ایسا گمان کرنے والا سوائے مجنون کے اور کون ہو سکتا ہے؟

غرض اس قسم کے ایک دوسرے کی ضد بارہ وصیت نامے اس دینِ بیہوشی کے دشمن نے لکھے۔ اس نے عیسیٰ کی یک رنگی کی جو بھی نہ سونگھی تھی مگر اس تیاری کے بعد اب انتہائی مکر یہ کھیلا کہ وعظ و نصیحت ترک کر کے تنہائی میں جا بیٹھا۔ چالیس پچاس دن تک جو جہلہ کیا تو مریدوں میں عام اضطراب پھیل گیا۔ تمام مخلوق اس کے حال، قال، ذوقِ عافان اور اس کے دیدار کے شوق میں دیوانی

ہو گئی۔ بہتیری منت سماجت کی، روئے پیٹے مگر وہ شدتِ ریاضت سے دہرا ہو گیا اور اندر ہی اندر سے جواب دیا کہ میری جان اپنے چاہنے والوں سے دُور تو نہیں لیکن باہر آنے کا دستور نہیں۔ تمام امیر مخلوق کی سفارش کے لیے جمع ہوئے اور مریدوں نے آہ و زاری شروع کی۔ وزیر نے جواب دیا کہ کہ اگر سخن پرست مسخرو! صرف زبان سے کان تک و عطا و پند کو قبول کرنے والو! ان ظاہری کاؤں میں روئی کی ڈاٹیں ٹھونسو اور آنکھوں پر سے ظاہر کے مٹائے تو توڑ، یہ ظاہری کان باطنی کانوں کی ڈاٹیں ہیں۔ جب تک ظاہری کان بہرے نہ ہوں باطنی کان نہیں کھلتے لہذا بالکل بے حس، بے گوش اور بے سمجھ ہو جاؤ تا کہ خدا سے خطاب ارجحیٰ سن سکو۔ اگر مجھے مانتے ہو تو میں اپنا آخری پیام تم تک پہنچا دوں گا لیکن اگر میرے کمال میں کچھ بھی شبہ ہو تو خود کیوں زحمت اٹھاتے اور مجھے کیوں تکلیف پہنچاتے ہو۔ میں اس تنہائی سے ہرگز باہر نہ نکلوں گا کیوں کہ مراقبے و مشاہدے میں مشغول ہوں، سب نے عرض کیا کہ ای وزیر ہم کو تیرے حکم سے کوئی انکار نہیں ہے اور ہمارا کہنا غیریت کے ساتھ نہیں بلکہ ہماری حالت یہ ہے کہ تیرے فراق میں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور روح کی گہرائیوں سے آہ کے دھنوں بلند ہو رہے ہیں۔ بچہ اپنی ماں یا اٹا کی گود میں بڑائی بھلائی جانے بغیر بھی روتا ہے تو یہ اس کا رونا شکوہ و شکایت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ وزیر نے اندر ہی اندر سے پکار کر کہا کہ ای میرے مریدو! تم کو معلوم ہو کہ مجھ کو چینی نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے سب مریدوں اور بہی خواہوں سے الگ ہو جاؤں، دیوار کی طرف گُرخ کر کے تنہا بیٹھوں اور اپنے وجود سے بھی جدائی اختیار کروں۔ بس اس سے زیادہ

کہنے کی اجازت نہیں اور مجھے گفتگو سے کام بھی نہیں۔ اے دوستو! خدا حافظ، میں مر چکا ہوں اور چوتھے آسمان پر پہنچ چکا ہوں تاکہ آسمان آتشیں کے نیچے سوکھی لکڑی کی طرح نہ سلگون۔ بس اب میرا منشا یہ ہے کہ حضرت کے پاس چوتھے آسمان پر حاضر ہوں۔

اس کے بعد ہر امیر کو الگ الگ بلا کر تنہائی میں بات چیت کی اور ہر ایک سے یہی کہا کہ دین عیسوی کا سچا پیرو اور میرا خلیفہ تو ہی ہے باقی سب امیر تیرے پیرو رہیں گے عیسیٰ مسیح کا حکم ہی ہے لہذا جو امیر تجھ سے سرتابی کرے اُس کو گرفتار کر کے یا مار ڈال یا قید کر دے لیکن جب تک میں مرنے جاؤں یہ راز کسی پر ظاہر نہ کر۔ اسی طرح ہر امیر کو الگ الگ اس نے وصیت کی کہ دین خدا میں میرا نائب تیرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور ہر ایک سے رازداری کا وعدہ لیا اور خلافت دے کر ایک ایک وصیت نامہ دیا یہ سب وصیت نامے حروفِ تہجی کی طرح ایک دوسرے سے مختلف اور آپس میں متضاد تھے۔

اس کام بے فارغ ہو کر دوسرے دن سے دروازہ بند کر کے پھر چلے بیٹھ گیا اور اسی مدت میں اپنے کو ہلاک کر لیا۔ جب مخلوق اس کی موت سے آگاہ ہوئی تو اس کی قبر پر قیامت برپا ہو گئی، اس کے دردِ فراق میں کیا امیر کیا غریب سب بے قرأ ہو کر ماتم کرتے رہے۔ آخر ایک ماہ کے بعد سب مرید جمع ہوئے اور امیروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس کی گدی پر بیٹھنے کا اہل کون ہے تاکہ ہم اس کو اپنا پیشوا بنائیں اور اس کی شفاعت و امداد کا دامن تمہا میں۔

اب ایک امیر قوم کے سامنے آیا اور دعویٰ کیا کہ اُس وزیر کا اور اس لیے خود مجھے کاناٹب میں ہوں۔ دیکھو! یہ وصیت نامہ میرے دعوے کا شاہد ہے کہ یہ نہایت میرا ہی حق ہے۔ اس کے بعد دوسرا امیر مقابلے پر آیا اور اس نے بھی بمثل

سے ایک وصیت نامہ نکالا اور خلافت کا دعویٰ کیا، یہاں تک کہ دونوں میں فتنہ اور ضد پیدا ہو گئی اور اسی طرح بارہ کے بارہ امیروں نے اپنی اپنی حکمرانیاں الگ کر کے تلواریں سونت لیں۔ ہر امیر ایک ہاتھ میں تیغ اور دوسرے ہاتھ میں وصیت نامہ لیے میدانِ جنگ میں اُترا اور مست ہاتھی کی طرح ایک دوسرے کے مقابل ہو گیا۔ ہر قبیلے نے اپنے اپنے امیر کا ساتھ دیا اور ان میں سخت جنگ ٹھن گئی۔ لاکھوں نصرانی اس جنگ میں ہلاک ہوئے یہاں تک کہ کشتوں کے پستے لگ گئے۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر آفت یہ آئی کہ اُن کے عقیدوں میں ہمیشہ کے لیے سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور اس نا اتفاقی نے انھیں پھر کبھی ملنے نہ دیا، نہ اُن کے دین کی کوئی وقعت اور قوت باقی رہی۔ صرف وہ گروہ جس نے خاتم المرسلین صلیم کی پیشین گوئی کو سمجھا اور مبارک نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کی، اس نام کی پناہ میں آ گیا ورنہ دین عیسوی کے سب احکام خط اور عقاید ایک ممتا بن کے رہ گئے اور خرد مندوں کی نظر سے گر گئے۔



ایک خرگوش کا شیر کو مکر سے ہلاک کرنا

کلیدہ دمنہ سے اس تھے کو بڑھ اور اس میں سے اپنے حقے کی نصیحت حاصل کر۔ کلیدہ دمنہ میں جو کچھ تو نے پڑھا وہ محض چمکا اور افسانہ ہی، اس کا مغز اب ہم پیش کر رہے ہیں۔

• ایک سبزہ زار میں چرندوں کی شیر سے ہمیشہ کش مکش رہتی تھی۔ چونکہ شیر چرندوں کی تاک میں لگا رہتا تھا اس لیے وہ چراگاہ ان سب کو اجیرن ہو گئی تھی۔ آخر

سب نے مل کر ایک تدبیر سوچی اور شیر کے پاس آکر کہا کہ ہم روزانہ تیرے کھانے کے لیے پیٹ بھر کے رات بوقت کیے دیتے ہیں اس مقررہ رات سے زیادہ شکار مست کرتا کہ یہ جنگل ہم پر تنگ نہ ہو جائے۔ شیر نے جواب دیا کہ اچھا اگر تم مکر نہ کرو اور اپنے قول قرار پر قائم رہو تو یہ بھی سہی۔ مگر میں تم جیوں سے بہت بہت دھوکے کھا چکا ہوں، میں بہت سوں کے قول و فعل سے نقصان اٹھا چکا ہوں اور بہت سے سانپ، بچھو مجھے ڈس چکے ہیں۔ بہت کچھ بحث ہوئی۔ چندے کہتے تھے کہ ایسا ہمارا سورا، جب تجھے چھو بیٹھے رزق پہنچتا ہے تو پھر خدا کا شکر بجالا اور زیادہ کی ہوس میں تکلیف اور مشقت نہ اٹھا۔ کیونکہ تو ہزار ہا تھ پانوں مارے، خدا نے جو نصیب میں لکھ دیا ہے اس سے زیادہ مل ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے اللہ کے نیک بندوں نے توکل کی تعلیم دی ہے۔ شیر نے جواب دیا کہ اللہ کے نیک بندوں نے تو ہمیشہ سخت محنت کی اور تکلیف اٹھائی۔ یہ دنیا تلاش اور جستجو کا مقام ہے۔ علم الہی کے بھید بھی محنت اور کوشش ہی سے کھلے ہیں۔

غرض شیر نے وہ دلیلیں دیں کہ وہ جبری فقہ لا جواب ہو گیا۔ لومڑی، خرگوش ہرن اور گیدڑ نے جبر کے طریق کو ترک کر دیا اور شیر سے عہد کیا کہ یہ بیعت کبھی نہ ٹوٹے گی۔ ہر روز کا شکار بے کھنگلے پہنچ جائے گا اور تقاضے کی نوبت نہ آئے گی۔ یہ معاہدہ کر کے وہ ایک چراگاہ میں پہنچے۔ سب مل کر ایک جگہ بیٹھے اور آپس میں گفتگو ہوئی۔ ہر ایک نئی تدبیر اور نئی رائے بتاتا تھا دوسرے کو کٹوانے کے درپہ تھا۔ آخر کار یہ رائے طر ہوئی کہ قرعہ ڈالا جائے قرعہ میں جس کا نام آجائے وہ بغیر کسی حیل و حجت کے شیر کی غذا کے لیے نام زد کیا جائے۔ ان سب نے اس طریقے کو تسلیم کیا۔ چنانچہ ہر روز جس کے نام قرعہ کھلتا وہ شیر کے پاس چپکے سے روانہ ہو جاتا تھا۔ جب اس قربانی کا دور خرگوش تک پہنچا تو خرگوش چکارا کہ کیوں صاحب! آخر یہ ستم کب تک

سہا جائے گا؟ چرندوں نے کہا کہ کتنی مدت سے ہم عند کے مطابق اپنی جان فدا کر رہے ہیں۔ ای سرکش! ہم کو بدنام مت کر اور بہت جلد جا، ایسا نہ ہو کہ شیر ہم سے ناراض ہو جائے۔ خرگوش نے کہا کہ دوستو! مجھے اتنی ہمت دو کہ میری تدبیر تم کو ہمیشہ کے لیے مصیبت سے بچا دے۔ مجھے خدا نے ایک نئی چال سمجھا دی ہے اور کم زور جسم والے کو بڑی قوی رائے سے سرفراز کیا ہے۔ چرندوں نے کہا ای جالاک خرگوش! بھلا بتا تو سہی کہ تیری سمجھ میں کیا آیا ہے کہ تو شیر سے اُبھتا ہے تو صاف صاف بیان کر کیونکہ مشورت سے فہم حاصل ہوتی ہے اور ایک عقل کو کئی عقول سے مدد ملتی ہے۔ خرگوش نے کہا کہ ہر راز بیان کے لائق نہیں ہوتا ایسا کرنے سے مبارک کام نامبارک ہو جاتا ہے اور کبھی نامبارک کام مبارک۔ غرض اس نے اپنا راز چرندوں سے بیان نہ کیا اور اپنا راز اپنی جان کے ساتھ لگا لگا کر رکھا۔ اس نے شیر کے سامنے جانے میں کچھ دیر لگائی اور اس کے بعد نوخوار شیر کے سامنے چلا گیا۔

دیر ہو جانے سے شیر غرغرا کر زمین کو لہچے ڈال رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ دیکھا! میں نہ کہتا تھا کہ ان کمینوں کا عہد بالکل پورا ہے اور پورا ہونے والا نہیں۔ ان کی چکنی چہڑی باتوں نے مجھے گدھے سے بھی بدتر کر دیا۔ خیر دیکھو تو یہ مخلوق کب تک دھوکے دیتی رہے گی۔ وہ غصے میں گرج رہا تھا کہ ارے! ان دشمنوں نے کانوں کی راہ سے میری آنکھیں بند کر دیں۔ ان اہل جبر کے کرنے مجھ کو بے دست و پا ہی نہیں کیا بلکہ میرے بدن کو لکڑی کی تلوار سے قیمہ کر دیا۔ آئندہ ان کی چا پلوسی میں کبھی نہ آؤں گا کہ وہ سب شیطانوں اور چڑیلوں کے ہکا دسے ہیں۔

اسنے میں دیکھا کہ خرگوش دور سے آ رہا ہے۔ خرگوش بالکل گستاخانہ بے خون دوڑتا آ رہا تھا اور اس میں بھی سرکشی کے انداز تھے کیونکہ قاعدہ ہو کہ غم زدہ یا جھجکتی ہوئی چال پر شبہ ہو جایا کرتا ہے اور دلیرانہ چال پر کوئی اندیشہ نہیں کرتا۔

جب وہ آگے بڑھ کر نزدیک پہنچا تو شیر نے وہیں سے ڈانٹا کہ ایسا خلعت! ارے میں نے کتنے بیلوں کو چیر ڈالا اور کتنے شیروں کو گوش مالی دے دی ہے، یہ آدھا خرگوش ایسا کہاں کا ہے جو اس طرح ہمارے فرمان کی خاک اڑائے۔ ارے گدے! اپنے خواب خرگوش کو ترک کر اس شیر کے غزانے کو غور سے سن۔

خرگوش نے عرض کی اگر جان کی امان پاؤں تو ایک عذر پیش کروں۔ شیر نے کہا ”ابے بھونڈے بے وقوف! وٹا ہوں کے آگے سارا زمانہ آئینہ ہے، بھلا تو کیا عذر پیش کرے گا، تو مرغ بے ہنگام ہے تیرا سر اڑا دینا چاہیے، احمق کے عذر کو کبھی سنا بھی نہ چاہیے“

خرگوش نے کہا کہ ”ای بادشاہ! ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت کو بھی رعیت سمجھ اور مصیبت زدوں کی معذرت کو قبول فرما۔ یہ تیری شان و شکوہ کی زکوٰۃ ہوگی۔“

شیر نے کہا کہ میں سننا سب موقع پر کرم بھی کرتا ہوں اور جو شخص جس جاملے کے لائق ہوتا ہے وہ اس کو پہناتا ہوں۔“

خرگوش نے عرض کی کہ ”اگر تجھے عذر مستبول ہے تو سن کہ میں صبح سویرے اپنے رفیق کے ساتھ بادشاہ کی حضور میں حاضر ہوا تھا (ان چرندوں نے) تجھے واسطے آج ایک اور خرگوش بھی میرے ساتھ کر دیا تھا۔ راستے میں ایک دوسرے شیر نے ہم غلاموں پر ناک لگائی میں نے اس سے کہا ہم شاہنشاہ کی رعیت ہیں اور اسی درگاہ کے غلام ہیں۔ اس نے کہا کہ بادشاہ کون ہوتا ہے تجھے کتنے ہوئے شرم نہیں آتی، ہمارے آگے کسی کا ذکر مت کر۔ اگر تو اس رفیق کے ساتھ میرے آگے سے ذرا بھی کترائی لے گا تو تجھ کو اور تیرے شاہنشاہ کو پھاڑ ڈالوں گا۔ میں نے کہا کہ ذرا مجھے اتنی ہی اجازت دیجیے کہ اپنے بادشاہ سلامت سے تمہاری خبر پہنچا کر چلا آؤں۔ اس نے کہا کہ اپنے ساتھی کو رہن کر دے ورنہ میرے مذہب میں تو قربانی ہے

ہم دونوں نے ہر چند خوشامد درآمد کی مگر اس نے ذرا نہ سنا۔ میرے ساتھی کو پھین لیا اور مجھے چھوڑ دیا۔ وہ ہمراہی اس کے پاس گرو ہو گیا اور مائے خوف کے اس کا دل خون ہو گیا۔ میرا ہمراہی تازگی اور مٹاپے میں مجھ سے بھگنا اور نہ صرف جسم میں بلکہ خوبی اور خوبصورتی میں بھی کہیں بڑھا چڑھا ہے۔ القصد اس شیر کی وجہ سے وہ راستہ بند ہو گیا۔ ہم پر جو کچھ پتا پڑی وہ گوش گزار کی گئی۔ لہذا امیر بادشاہ! اس حالت میں روزِ مزہ اپنا راتب پہنچنے کی امید نہ رکھ، سچی بات کر دی ہو اگر تھی ہی مگر میں نے تو سچ ہی کہ دیا۔ اگر تجھے بروقت راتب چاہیے تو راستے کو صاف کر۔ ابھی میرے ساتھ چل اور اس بند شیر کو دفع کر، شیر نے کہا، "ہاں چلو، دیکھو تو وہ کہاں ہے؟ اگر تو سچا ہے تو آگے آگے چل تاکہ اس کو اور اس جیسے سوبھی ہوں تو سزا دوں اور اگر تو نے جھوٹ کہا ہے تو اس کی سزا تجھے دوں۔"

خرگوش آگے آگے فوج کے نشان بردار کی طرح بڑھا تاکہ شیر کو اپنے مکر کے جال تک پہنچائے۔ ایک شکستہ کنویں کو پہلے ہی سے منتخب کر لیا تھا۔ دونوں وہاں تک پہنچ گئے مگر دراصل گھاس تلے کا پانی تو خود ہی خرگوش تھا۔ پانی گھاس پھوس کو تو بہا لے جایا کرتا ہے، مگر تعجب یہ ہے کہ پہاڑ کو بھی بہا لے جاتا ہے۔ خرگوش کے مکر کا حال شیر کے حق میں کند ہو گیا۔ وہ خرگوش بھی عجیب دل گردے کا تھا کہ شیر کو اڑالے گیا۔ شیر جو خرگوش کے ساتھ تھا تو غصے میں بھرا ہوا اور کہنے کی آگ میں بھٹک رہا تھا۔ دلیر خرگوش جو آگے آگے تھا اب اس نے آگے بڑھنے سے پاؤں روکے۔ شیر نے دیکھا کہ ایک کنویں کے پاس آتے ہی خرگوش رکا اور پاؤں پیچھے پیچھے ڈالنے لگا۔ شیر نے پوچھا "تو نے آگے بڑھتے ہوئے قدم پیچھے کیوں پھیر لیے، خبردار پیچھے مت ہٹنا گے بڑھ۔" خرگوش نے کہا "میرے پاؤں میں دم کہاں، میرے تو ہاتھ پیر بھول گئے، میری جان میں کپھلی پڑ گئی اور دل ٹھکانے نہیں رہا۔ تو نہیں دیکھتا

کہ میرے چہرے کا رنگ سونے جیسا زرد پڑ گیا ہے، یہ میری دلی حالت کی خبر دیتا ہے۔“ شیر نے کہا ”آخر سبب تو بتا کہ تو اس طرح کیوں جھجک رہا ہے؟ ایسا یہودہ! تو مجھے چکھ دیتا ہے، سچ بتا تو نے پانوں آگے بڑھنے سے کیوں روکا؟“ خرگوش نے کہا ”ای بادشاہ وہ شیر اسی کنوئیں میں رہتا ہے۔ کنواں کیا ہے ایک قلعہ ہے جس میں وہ ہر آفت سے محفوظ ہے۔ میرے ساتھی کو چھین کر اسی کنوئیں میں لے گیا ہے۔“ شیر نے کہا اچھا تو آگے بڑھ کر دیکھ اگر وہ کنوئیں میں اب بھی موجود ہے تو میرے مقابلے سے مغلوب ہو جائے گا۔“ خرگوش نے کہا کہ ”میں تو اس کے خوف کی آگ سے جلا جا رہا ہوں، البتہ اگر تو مجھے اٹھا کر اپنی بغل میں لے لے تو نشان دہی کرنے کو حاضر ہوں تاکہ ایسا بلوان! تیری ہمت اور پستی بانی کی ڈھارس پر میں آنکھیں کھولوں اور کنوئیں میں جھانک کر دیکھوں۔ میں تو صرف تمہاری ہمت ہی سے کنوئیں کی طرف رُح کر سکتا ہوں۔“

شیر نے اسے اپنی بغل میں اٹھالیا تو اس کی پناہ میں کنوئیں کے دلہنے تک پہنچا۔ جب ان دونوں نے کنوئیں میں جھانکا تو شیر نے اس کی بات کی تصدیق کی۔ اصل میں کنوئیں کے پانی میں شیر نے اپنا ہی عکس اس طرح دیکھا کہ ایک شیر بغل میں خرگوش دبائے کھڑا ہے۔ جو نہی اس نے پانی میں اپنے دشمن کو دیکھا، غصے میں بے تاب ہو کر خرگوش کو تو چھوڑ دیا اور کنوئیں میں کود پڑا اور جو کنواں ظلم کا کھودا تھا اُس میں خود ہی گر گیا۔

جب خرگوش نے دیکھا کہ شیر کنوئیں میں بے دم ہو گیا تو قلابازیاں کھاتا خوش خوش سبزہ زار کو دوڑا۔ وہ شیر کا شکاری چرند دل میں پہنچا اور کہا کہ ”ای قوم! مبارک ہو، خوش خبری دینے والا آ گیا۔ ای عیش کرنے والا! خوش ہو جاؤ کہ وہ دوزخ کا گناہ دوزخ کو سدھارا جس کو سوائے ظلم کے کچھ نہ سوچتا تھا، مظلوم کی آواز آ

لگی اور وہ پارہ پارہ ہو گیا۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ سر پھٹ کر بھیجا نکل پڑا اور ہماری جانوں کو آسے دن کی مہمیت سے امان ملی۔ خدا کا فضل ہے کہ وہ نیست و نابود ہو گیا اور ایسے سخت دشمن پر ہمیں غلبہ حاصل ہوا۔

سب چرندے مارے خوشی کے اچھلتے کودتے اور تھمے لگاتے ایک جگہ جمع ہے خرگوش کو شمع کی طرح بیچ میں لے کر سب نے سجدہ کیا اور کہا بے شک یا تو فرشتہ ہی یا جن ہی یا شیروں کا ملک الموت ہی۔ جو کچھ بھی توہی ہماری جان تجھ پر قربان ہے، تو نے ایسی فتح پائی ہے کہ بس تیرے ہی زورِ بازو کا کام تھا۔ بجلا اس خوش خبری کا تفصیلی واقعہ تو سنا جس سے ہماری مسوح کو تازگی اور دل کو غذا ملی ہے۔ اس نے کہا اے میرے بزرگو! یہ محض خدا کی تائید تھی۔ ہندو خرگوش کی کیا بساط ہے۔ خدا نے مجھے جرات اور عقل کو روشنی بخشی اور اس عقل کی روشنی سے میرے ہاتھ پیر میں توانائی آئی۔ اے حضرات! یہ سب اسی کا فضل ہے۔ لہذا جان و دل سے خدا کی درگاہ میں سجدہ کرو (اور یہ دعا کرو) اے بادشاہوں کے بادشاہ! ہم نے ظاہری دشمن کو تو مار لیا لیکن اس سے بدتر دشمن ہمارے اندر موجود ہے۔ اس اندر کے دشمن کو مارنا محنت و تدبیر سے ممکن نہیں کیونکہ یہ خرگوش کے پس کانیں۔ ہمارا نفس دوزخ ہے اور دوزخ ایسی آگ ہے کہ ساتھ سمندر پہی کر بھی نہ بجھے اور اس کی بھڑک میں کوئی کمی نہ آئے +

» () «

مہمہ کے دعوے پر کوئے کا طعنہ اور مہمہ کا جواب

نب سلیمان کی بادشاہت کا ڈنکا بجا تو سب پرندے اطاعت میں حاضر ہوئے جب انھوں نے سلیمان کو اپنا محرم راز اور زباں داں پایا تو ہرگز وہ دل و جان سے حاضر و بار ہو گیا۔ سب پرندوں نے اپنی چوں چوں کرنی چھوڑ دی اور سلیمان کی صحبت

میں بنی آدم سے زیادہ فصیح بولنے لگے۔ سب پرندے اپنی اپنی حکمت و دلائلی بیان کرنے لگے مگر یہ خود ستائی کچھ شیخی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اپنی خلقت کا اظہار تھا کہ سلیمانؑ کو ہدایت و تعلیم کے پھیلانے میں مدد ملے۔ ہوتے ہوتے بُد بُد کی باری آئی اس نے کہا: "بادشاہ ایک ہنر جو سب سے ادنیٰ جو عرض کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ مختصر بات ہی مفید ہوتی ہے۔ سلیمانؑ نے پوچھا کہ وہ کون سا ہنر ہے؟ بُد بُد نے کہا کہ جب میں بلندی پر اُڑتا ہوں تو پانی کو پتال میں بھی جو تو دیکھ لیتا ہوں۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ یہ کہاں ہے، کس گہرائی میں اور اس کا کیا رنگ ہے، یہ بھی کہ وہ پانی زمین میں سے اُبل رہا ہے یا پتھر سے رس رہا ہے۔ اور سلیمانؑ! تو اپنے لاؤ شکر کے ساتھ مجھ ایسے واقعہ کار کو رکھ۔ حضرت نے کہا کہ اچھا بے آب و گیاہ اور خطرناک ریگستانوں میں تو ہمارے ساتھ رہا کر۔ تو ہماری ہمراہی بھی کرے اور پیش روی بھی تاکہ ہمارے لیے پانی کا کھوج لگاتا رہے۔

جب کوئے نے سنا کہ بُد بُد کو یہ منصب عطا ہو گیا تو اسے حسد ہوا اور حضرت سلیمانؑ سے عرض کیا کہ بُد بُد نے بالکل غلط کسی اور گستاخی کی ہے۔ یہ خلافِ ادب ہے کہ بادشاہ کے حضور ایسا جھوٹا دعویٰ کیا جائے جس کا پورا کرنا ممکن نہ ہو۔ اگر ہمیشہ اس کی نظر اتنی تیز ہوتی تو مٹھی بھر خاک میں چھپا ہوا پسند کیوں نہ دیکھ سکتا۔ حال میں کیوں پھنستا اور پنجرے میں کیوں گرفتار ہوتا۔ سلیمانؑ نے کہا، کیوں اور بُد بُد! کیا یہ بچ ہے کہ تو میرے آگے دعوے کرتا ہے اور وہ بھی جھوٹا۔ بُد بُد نے کہا، خدا کے واسطے اور بادشاہ! مجھ بے ذائقہ کے خلاف دشمن کی لگائی۔ جھٹھائی میں مت آ۔ اگر میرا دعویٰ غلط ہو تو

لے افصح من اخیک - مولانا کا مالکانہ طرزِ بہانہ ہے، اخیک یعنی میرے بھائی،
 مراد بنی آدم۔

یہ سہرا ضروری، ابھی گردن اُڑا دے۔ رہتی موت اور خدا کے حکم سے گرفتاری، اس کا علاج میرے کیا کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ اگر خدا کی مشیت میری عقل کی روشنی کو نہ بجھائے تو میں اڑتے اڑتے پھندے اور جالے کو دیکھ لوں۔ لیکن جب حکم الہی ہوتا ہے تو عقل سو جاتی ہے، چاند سیاہ ہو جاتا ہے اور آفتاب گمن میں آجاتا ہے۔ میری عقل اور بینائی میں یہ قوت نہیں ہے کہ خدائی حکم کا مقابلہ کر سکے۔

— (*) —

حضرت عمرؓ کے پاس سفیرِ قیصر کا آنا

قیصر کا ایک سفیر دُور دراز بیابانوں کو طے کر کے حضرت عمرؓ سے ملنے کو مدینے پہنچا۔ لوگوں سے پوچھا کہ خلیفہ کا محل کن سا ہے تاکہ میں وہاں اپنا خیمہ و خزاہ پہنچاؤں۔ لوگوں نے جواب دیا کہ اس کا کوئی محل نہیں اس کا روشن قصر تو اس کا دل ہے۔ اس کی حکومت و شہر یاری کا ساری دنیا میں شہرہ ہے لیکن وہ خود درویشوں کی طرح گھاس پھوس کی جھونپڑی میں رہتا ہے۔ ای بھائی! تجھے اس کا محل کیا دکھائی دے گا جبکہ تیرے دل کی آنکھ میں بالِ نکل آئے ہیں۔ پہلے دل کی آنکھ سے بیماری کے بال صاف کرے پھر کہیں اس کے محل کے دیکھنے کی آرزو کر۔ جب سفیر روم نے یہ باتیں سنیں تو اور زیادہ مشتاق ہو گیا۔ خیمہ و خزاہ کو بے محرومی چھوڑ کر حضرت عمرؓ کی ہر طرف تلاش کرنے لگا۔ قاعدہ ہے کہ دُمن سچی ہو تو ڈھونڈنے والا مطلب پا ہی جاتا ہے۔ ایک اعرابی کی عورت نے کہا کہ دیکھو! عمرؓ اس کچور کے درخت کے نیچے ہیں۔ ساری مخلوق سے الگ ہو کر وہ ظل اللہ درخت کے سائے میں سو رہا ہے۔ سفیر اُدھر بڑھا

تو دور ہی ٹھٹک کر رہ گیا اور حضرت عمرؓ کو دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ ہر چند آپ سو رہے تھے مگر سفیر پر ہیبت طاری ہو گئی اور اسی کے ساتھ روح میں ایک سرو کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اگرچہ محبت اور ہیبت ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن اس نے یہ دو ضدیں اپنے دل میں جمع پائیں۔ اپنے جی میں کہنے لگا کہ میں نے کتنے بادشاہوں کی شان و شوکت دیکھی ہو اور بڑے بڑے درباروں میں سرفرازی حاصل کی ہو۔ کسی بادشاہ کی ہیبت مجھ پر اتنی نہیں چھائی جتنی کہ اس مرد کے رعب نے میرے ہوش اڑا دیے۔ میں شیروں کے بن میں بھی پھرا ہوں مگر کبھی ایسا خوف زدہ نہیں ہوا۔ میں نے جنگوں اور بڑی بڑی مہموں میں صفیں کی صفیں الٹ دی ہیں۔ میں نے بڑے بڑے زخم کھائے بھی ہیں اور لگائے بھی ہیں ہمیشہ دوسروں کے مقابلے میں میرا دل مضبوط رہا۔ مگر یہ شخص جو بے ہنیا رتوہن پر پڑا سستا ہے، کیا سبب ہو کہ اسے دیکھ کر میری بوٹی بوٹی لرز رہی ہو۔ یہ اس گدڑی والے فقیر کی ہیبت نہیں ہو سکتی۔ یہ ضرور حق کی ہیبت ہی مخلوق کی نہیں۔

وہ دل ہی دل میں یہ باتیں کر رہا تھا کہ حضرت عمرؓ خواب سے بیدار ہوئے۔ سفیر نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دے کر آگے طلب کیا اور تسلی دے کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس کے دیران دل کو آدا کیا۔ بہت سی معرفت کی باتیں سمجھائیں۔ گو بادشاہین شاگرد کو کمال استاد۔ سفیر نے دریافت کیا کہ ایامیر المؤمنین! جان سی لطیف و عالم بالا سے عالم اسفل میں کیسے اتر آئی اور نامحدود عالم کا پرندہ گھٹے ہوئے پنجرے میں کیسے بند ہو گیا؟ حضرت نے فرمایا کہ جناب باری کے حکم میں وہ لذت اور ترغیب ہو کہ بے گنتی وجود وجد کی حالت میں عدم کی حالت دوڑ پڑتے ہیں۔ سفیر نے جب یہ نکتے سنے تو اس کے دل میں ایک نئی روشنی پیدا ہوئی اس نے پھر سوال کیا کہ اس میں فائدہ اور حکمت کیا تھی کہ لطیف روح اس کثیف خاک

میں قید ہو گئی صاف پانی کا کیکچڑ میں جذب ہو جانا اور روح باقی کا فانی اجسام میں گرفتار ہونا (ایک سی بات ہی) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسی عزیز تو چاہتا ہے کہ تیری ہر بات میں معنی بندھے ہوئے ہوں۔ آزاد و لطیف مطالب کو لفظوں میں قید کرنا ایسا ہی جیسے ہوا کو چند آوازوں میں بند کر لینا۔ یہ کام تو نے ایک فائدے کی خاطر کیا ہے لیکن خود یہ فائدہ تیرے نیشا کو کہاں دیکھ سکتا ہے۔ پس جب ہم کو اس فعل میں فائدے نظر آتے ہیں تو وہ ذات جس نے تمام فائدے پیدا کیے ہیں اپنے فعل میں کیا کیا فوائد نہ دیکھتی ہوگی۔ اب اگر گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں ہو تو زبان بند کر لے اور اگر واقعی فائدہ مند ہو تو اعتراض چھوڑ اور خدا کا شکر چلا +



ایک تقیہ طوطی کا ہندوستان کے طوطیوں کو پیغام بھیجنا

ایک سوداگر کے پاس ہندوستان کا خوب صورت طوطی تھا۔ ایک مرتبہ سوداگر نے سامان سفر تیار کر کے ہندوستان جانے کا قصد کیا۔ رخصت ہوتے وقت گھر کے سب نوکروں تک سے پوچھا کہ ہر ایک کے لیے کیا کیا تحفے لائے جائیں۔ ہر ایک نے اپنی اپنی پسند عرض کی۔ اس نے سب سے وعدہ کیا اور طوطی سے بھی دریافت کیا کہ مجھے ملک ہندوستان جانا پڑ گیا ہے تو بتا تیری فرمائش کیا ہے؟ طوطی نے کہا جب تو وہاں کے طوطیوں کو دیکھے تو میرا حال یوں بیان کر کہ تمہاری قوم کا فلاں طوطی جو تمہاری ملاقات کی مشتاق ہے، گردش آسمان سے ہماری قید میں ہے۔ تم کو اس نے سلام کہا اور اپنی خلاصی کا مشورہ طلب کیا ہے۔ کہنا ممکن ہے کہ میں تمہارے اشتیاق ہی اشتیاق میں ختم ہو جاؤں اور فراق میں جان دے دوں۔ کیا یہ انصاف ہے کہ میں قید سخت میں گرفتار رہوں اور تم

کبھی سبزے پر اور کبھی درخت پر مزے اڑاؤ۔ کیا دوستوں کے آئین و نفا ایسے ہی ہوتے ہیں کہ میں اس قید میں گرفتار اور تم خوش بڑکے باغوں میں آزاد پھرو۔

سوداگر نے وعدہ کیا کہ اس کا پیام سلام اس کی قوم تک پہنچا دے گا۔ جب ہندوستان کی حدود میں پہنچا تو جنگل میں چند طوطیوں کو دیکھا۔ گھوڑا روک کر آواز دی اور اپنے طوطی کا سلام اور وہ پیغام جو امانت تھا انھیں پہنچا دیا۔ ان طوطیوں میں سے ایک طوطی قہر تھرکانپ کر گر پڑا اور اس کا سانس اکھڑ گیا۔ مالک طوطی یہ خبر دے کر بہت ہشیمان ہوا اور جی میں کہنے لگا کہ میں نے ناحق ایک جان لی۔ شاید یہ ہمارے طوطی کا عزیز تھا۔ میں نے اپنی بے موقع بات سے اس غریب کو پھونک دیا۔ القصد جب سوداگر کاروبار تجارت سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس آیا تو ہر غلام کے لیے تحفہ لایا اور ہر لونڈی کو ہدیہ دیا۔ طوطی نے پوچھا کہ مسیری فرمایش بھی پوری کی، کیا کہا اور کیا دیکھا، بیان کر۔ سوداگر نے کہا کہ نہیں میرا جی نہیں چاہتا، میں خود کہہ کر ہشیمان ہوں، اپنا ہاتھ چباتا اور انگلیاں کاٹتا ہوں کہ یہودگی سے ایسا بڑا پیغام بالکل بے سمجھی اور بھولے پن سے کیوں لے گیا۔ طوطی نے کہا، میرے مالک ہشیمانی کا ہے کی! وہ ایسی کون سی ہشیمانی ہے جس نے اس قدر حقہ اور غم پیدا کر دیا ہے۔ سوداگر نے کہا کہ تیرے ہم جنس طوطیوں کے گروہ سے میں نے تیری داستان بیان کی۔ ان میں سے ایک طوطی تیرا درد آشنا نکلا (پیغام سنتے ہی) اس کا پتا پھٹ گیا، کانپ کر گرا اور مر گیا۔ میں از حد ہشیمان ہوا کہ پیغام ہی کیوں دیا لیکن جب منہ سے نکل گیا تو ہشیمانی بے فائدہ ہے۔ سوداگر کے طوطی نے جب یہ قصہ سنا تو وہ بھی تھر تھرا کر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ مالک نے طوطی کو اس حال سے گرا ہوا پایا تو کھڑا ہو گیا اور ٹوپی زمین پر بیٹھ دی۔ رنج و غم کے مارے اپنا گریبان چاک کر دیا۔ بین میں کہتا تھا کہ ای خوب صورت اور خوش

آواز طوطی، اسے یہ مجھے کیا ہو گیا، تو ایسا کیوں ہو گیا۔ ہائے ہائے تو ایسا تھا اور تو ایسا تھا۔ آخر جب روپیٹ چکا تو اس کو پتھر سے باہر پھینک دیا۔ فوراً ہی طوطی اڑ کر ایک بلند ڈالی پر جا بیٹھا۔ اس مردہ طوطی نے اس طرح کی پرواز کی جیسے آفتاب مشرق سے دھاوا کرتا ہو۔ مالک پرندے کی اس حرکت پر حیران رہ گیا، بھلا وہ میں پڑا ہوا تھا یا ایک پرندے کے چلتے ہوئے دیکھے تو سراؤنچا کر کے اس سے مخاطب ہوا اور کہا کہ اے میرے بلبل! اپنے حال کی تفصیل میں سے کچھ حصہ ہم کو بھی دے۔ ہندوستان کے طوطی نے کیا رمز کیا جس کو تو بھانپ گیا اور ہماری آنکھوں پر اپنے مکر سے پردہ ڈال دیا۔ تو نے وہ چال کھیلی کہ ہم کو چھلایا اور خود روشن ہو گیا۔ طوطی نے کہا کہ اس نے اپنے عمل سے مجھے یہ نصیحت کی کہ فتنہ، آواز، خوش دلی کو ترک کر کیونکہ تو اپنی صدا کے باعث ہی گرفتار ہوا ہے صرف نصیحت کی غرض سے اس نے اپنے کو مردہ بنا لیا۔ یعنی اے پرندے تو جو عام و خاص کا دل بہلانے والا گویا ہو تو مردہ بن جاتا کہ قید سے خلاصی پائے۔ پھر طوطی نے سلام کر کے کہا بس اب خدا حافظ اے میرے مالک! اللوداع۔ تو نے بڑی مہربانی کی کہ مجھے اندھیری قید سے آزاد کر دیا۔ مالک (سوداگر) نے کہا، خدا کی امان، جا۔ تو جاتے جاتے مجھ کو ایک نیا راستہ دکھا گیا۔ طوطی نے وطن اصلی کا رخ کیا۔ ایک مدت صعوبت سفر اٹھانے کے بعد آسائش و آرام سے رہنے لگا۔ ادھر مالک نے اپنے نبی میں کہا، میرے لیے اب مصلحت یہی ہے کہ طوطی کا راستہ اختیار کروں کہ وہ بالکل روشن اور صاف ہے۔

طوطی کے مرنے سے مراد نفس کو مارنا ہے۔ دیکھ، موسم بہار میں بھی پتھر سرسبز نہیں ہوتا لہذا تو خاک ہو جاتا کہ تجھ سے رنگ برنگ کے پھول کھلیں برسوں سالہا سال تو سخت پتھر بنا رہا، تھوڑی سی دیر کے لیے خاک ہو کر بھی آزمائش کرے۔

ایک بوڑھے چنگی کا گورستان میں خدا کے واسطے چنگ بجانا

تم نے سنا ہو گا کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مطرب چنگ بجانے والا بڑا باکمال گزرا ہو۔ بلبیل اس کی آواز سے مست ہو جاتے تھے۔ اس کی دلکش آواز کی ایک اینڈ میں سے سو آوازیں نکلتی تھیں۔ جہاں وہ کاتا تھا وہاں لوگ محو رہ جاتے تھے اور اس کی دردناک آواز سے قیامت برپا ہو جاتی تھی۔ اسی طرح زمانہ گزرتا گیا اور وہ بڑھا ہو گیا حتیٰ کہ تان میں جان نہ رہی اور اس کے نغمے میں پتھروں کی سی بھینسا ہٹ پیدا ہو گئی۔ گھر سے کے پینڈے کی طرح اس کی پیڑھ غم اور گھوڑوں کی دلچسپی کی طرح بھوئی آنکھوں پر لٹک پڑیں۔ وہ وسیلی آواز بالکل بے سُری، بھدی اور دل خواش ہو گئی۔ وہ درد انگیز الاپ جس پر زہرہ کو بھی رشک آتا تھا بڑے گدھے کی آواز کی مانند ہو گئی کہ اب اس کا کوئی قدر دان نہ رہا اور رفتہ رفتہ وہ بالکل مفلس اور روٹی کپڑے تک کو محتاج ہو گیا۔ اسی پریشانی میں اس نے ایک روز درگاوالہی میں مناجات کی کہ اے بارالہ تو نے اپنے ذلیل بندے پر بڑے بڑے کرم کیے۔ عمر دراز بھی عطا کی اور اپنے عادات و اطوار درست کرنے کی مصلحت بھی دی۔ میں نے ستر سال تک گناہ کیا پھر بھی تو نے کسی دن مجھ سے اپنی بخشش واپس نہ لی لیکن آج میرے پاس کمائی میں سے کچھ نہیں ہو، آج میں تیرا مہمان ہوں۔ چونکہ میں تیرا ہوں اس لیے چنگ بھی اب تیرے ہی حضور میں بجاتا ہوں۔ چنگ لیا اور خدا کی تلاش میں روتا ہوا مدینے کے قبرستان میں پہنچا اور کہا کہ آج میں بصلے کا طالب صرف خدا سے ہوں جو اپنے احسان و کرم سے کھوٹے سٹکے بھی قبول کر لیتا ہو۔ چنگ بھی کھول کر بچایا اور رونے

۱۵ سارنگی کی قسم کا ایک ساز چنگ بجانے والے کو چنگی کہتے ہیں۔

روتے سرٹھکا کر ایک قبر پر بڑھ گیا۔ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ دنیا کے رنج اور بدن کی آفتوں سے آزاؤ، ایک نامحدود جہان اور صحرائے جان میں پھرے لگا۔ اسی وقت خداوند تعالیٰ نے حضرت عمرؓ پر بیکایک ایسی نیند غالب کی کہ وہ بھی حیرت میں ہو گئے کہ میرا معمول تو ایسا نہیں ہے، یہ غیبی واقعہ ہے اور ضرور اس میں کوئی بصیرت ہے۔ نیچے سے سر رکھ کر سو گئے، خواب میں حق کی طرف سے ندا آئی جس کو ان کی جان نے سنا کہ اے عمرؓ ہمارے ایک بندے کی حاجت ردا کر کے اس کا صلہ ادا کر۔ ہمارا ایک خاص اور معزز بندہ ہے ذرا تو قبرستان تک تکلیف کر اور میت المال سے پورے سات سو دینار لے اور اس کے پاس جا کر کہہ کہ اے ہمارے دست گرفتہ اس وقت تو یہ لے لے اور اس کو خرچ کر جب یہ ختم ہو جائے تو پھر ہمیں آ جا۔

آواز کی ہیبت سے عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً تعمیل پر کمر باندھی اور قبرستان کا رخ کیا۔ بغل میں ہیمیائی دباے ڈھونڈنے نکلے۔ قبرستان میں کئی چکر لگائے وہاں اس بوڑھے کے سوا اور کوئی دکھائی نہ دیا۔ ہر دفعہ اسی بوڑھے پر خیال جاتا تھا۔ مگر پھر اپنے جی میں کہتے تھے کہ یہ نہ ہو گا یہاں تک کہ تھک گئے اور سوائے اسی بوڑھے کے اور کوئی وہاں نظر نہ آیا۔ جی میں سوچا کہ خدا نے تو یہ فرمایا کہ ہمارا خاص بندہ بہت پاک، لائق اور خوش نصیب ہے بھلا چنگی بوڑھا خاصہ خدا کیوں کر ہو سکتا ہے دوبارہ پھر قبرستان کے گرد چکر لگایا جیسے شکاری شیر جنگل کے اطراف گھوما کرتا ہے۔ جب یقین ہو گیا کہ ہونہ ہو یہ بوڑھا ہی ہے تو دل میں کہا، بے شک تاریکی میں بھی بہت سے روشن دل ہوتے ہیں۔ قریب آئے اور بادب وہاں بیٹھ گئے۔ جو نہی ایک چھینک حضرت عمرؓ کو آئی وہ بوڑھا اٹھ بیٹھا۔ حضرت کو دیکھ کر حیران رہ گیا چاہا کہ چلا جائے مگر خون سے پاؤں کاٹنے لگا۔ اپنے جی میں کہنے لگا، اے خدا تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ محتسب بوڑھے چنگی کے سر پر آن پہنچا۔ حضرت عمرؓ

نے اس سے کہا کہ مت ڈر اور مجھ سے نہ بھاگ کہ میں خدا کی طرف سے تیرے لیے خوش خبریاں لایا ہوں۔ خداوند عالم نے تیری وہ تعریف فرمائی کہ حضرت عمرؓ کو تیرا گردیدہ بنا دیا۔ خدا نے مجھے سلام کہا ہے اور پوچھا ہے کہ اب تیرا کیا حال ہے۔ لے یہ چند سکتے تیرا صلہ ہیں انھیں خرچ کر اور پھر یہیں آجانا۔ جب یہ سنا تو بورسے کی عجب حالت ہوئی، اپنے ہاتھ کاٹنے اور بیچ دنا بکھانے لگا۔ بے اختیار چلا کر کہا کہ ای بے مثل و نظیر خدا! یہ بے وسیلہ بوڑھا مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔ جب روتے روتے بے حال ہو گیا تو جنگ کو زمین پر اس زور سے لے مارا کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کہا، ای (جنگ) تو ہی خدا کے اور میرے درمیان حجاب رہا ہے اور تو ہی نے سید سے راستے سے مجھے پھیرا ہے۔ ای خطا بخش و خطا پوش خدا! میرے گناہ معاف اور میری گزشتہ زندگی پر رحم کر۔ اسی طرح روتا چلاتا اپنے گناہ ڈھیرا رہا تھا۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تیری مدہوشی بھی تیری ہوشیاری کی علامت ہے۔ پھر آپ نے اس کو توجہ دی کہ گزشتہ کے رنج اور توبہ کے مقام سے نکل کر معرفت میں محو ہو گیا۔ گویا ایک جان گئی اور دوسری زندگی کا آغاز ہوا +

ایک عربی کا خلیفہ بغداد کے پاس کھاری پانی بطور تحفہ لے جانا

انگلے زمانے میں ایک خلیفہ تھا جس نے حاتم کو بھی اپنی سخاوت کے آگے بھکاری بنا دیا تھا اور دنیا میں اپنی داد و ہمیش اور فیض عام سے حاجت مندی اور ناداری کی جڑ اکھیر دی تھی۔ مشرق سے مغرب تک اس کی بخشش کا چرچا ہو گیا۔ ایسے بادشاہ کریم کے زمانے کی ایک داستان سنو! ایک رات اعلیٰ عورت

نے اپنے شوہر سے کہا کہ ہم ہر قسم کی محتاجی اور تکلیف برداشت کر رہے ہیں، سارا عالم خوش ہو اور ہم ناخوش۔ روٹی کھانے کو میسر نہیں ہمارا کھانا پینا تو درود اور آتشو ہیں۔ ہمارا لباس دن کی دھوپ ہو اور سوتے وقت رات ہماری توشک ہو اور چاندنی کماٹ ہو۔ چاند کے ہالے کو گول چپاتی سمجھ کر ہمارا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہو ہمارے فقر و فاقہ سے فقیروں کو بھی شرم آتی ہو، ہمارے دن رات روٹی کی فکر ہی میں گزرتے ہیں۔ جیسے سامری آدمیوں کی صحبت اور آبادی سے وحشت کرتا تھا اسی طرح اپنے بیگانے ہم سے دُور بھاگتے ہیں۔

میاں نے کہا یہ شکایتیں کب تک کیے جائے گی، ہماری عمر ہی ایسی کیا زیادہ رہ گئی ہو بہت بڑا حصہ گزر چکا۔ عقلمند آدمی مفلسی اور فارغ الہالی کو خاطر میں نہیں لاتا کیونکہ دونوں حالتیں پانی کی موج ہیں آئیں اور گزریں۔ موج دریا چاہے ہلکی ہو چاہے تیز جب کسی دم اسے قرار ہی نہیں تو پھر اس کا ذکر ہی کیا؟ جو بہت آرام و عیش سے جیتا ہو وہ بہت بُری طرح مرتا ہو۔ تو تو میری بیوی ہو، بیوی کو اپنے شوہر کا ہم خیال ہونا چاہیے تاکہ آپس کے اتفاق سے سب کام ٹھیک ہوں۔ جوتی کا جوڑا باہم ایکسا ہی مناسب ہوتا ہو۔ اگر روتے اور موزے کا جوڑا اپنے کے لیے بنایا جائے تو کیسا بدزیب ہوگا۔ میں تو دل مضبوط کیے قناعت کی طرف جا رہا ہوں تو حرص و ہوس کی طرف کیوں جا رہی ہو؟

وہ مرد قانع خلوص اور مہر رومی سے اس قسم کی نصیحتیں بیوی کو دیتا رہا۔ بیوی نے جھلا کر ڈانٹا کہ او بے غیرتی کے دیندار میں آئندہ تیری باتوں میں نہ آؤں گی خالی خولی دعوے اور پند و نصیحت کی بجواس مت کرتوںے کب قناعت سے جان روشن کی، تو نے تو قناعتوں کا نام سیکھ لیا ہو۔ تو خدا کا نام بیچ میں ڈال کر مجھے پکھ دیتا ہو تاکہ (جب میں شکوہ کروں) تو مجھے گستاخی اور فساد کے الزام میں

بدنام کرے۔ تیری نصیحت نے مجھے لاجواب نہیں کیا، ہاں نام حق نے مجھے بند کر دیا۔ مگر تھ ہی تجھ پر کہ تو نے نام حق کو چڑی مارکا پھندا بنایا۔ نام حق ہی میرا بدلہ تجھ سے لے گا۔ میں نے تو جان و تن نام حق کے حوالے کر دیا۔ تاکہ میرے زخموں کی چر پراہٹ تیری رگ جاں تک پہنچائے یا تجھ کو بھی میری طرح قیدی (عورت) بنا دے۔ عورت نے اس قسم کی صلواتوں کے دفتر کے دفتر شوہر کو سنا دیا۔ مرد عورت کے طعنے چپ چاپ سنتا رہا۔ اس کے بعد دیکھو تو جواب کیا دیتا ہے۔ مرد نے کہا کہ ای عورت! تو میری بیوی ہے کہہ بیجا۔ لڑائی جھگڑے اور بد گوئی کو چھوڑ اور اگر نہیں چھوڑتی تو مجھے چھوڑ۔ میرے کچے چھوڑوں پر ڈنک نہ مار اور میری بے خود جان پر زخم نہ لگا۔ اگر تو زبان بند کرے تو خیر، ورنہ یاد رکھنا میں ابھی گھر بار چھوڑ دوں گا۔ تنگ جونا پہننے سے نینگے پاؤ پھرنا۔ ہتر ہے۔ ہر وقت کی خانہ جنگی سے سفر کی مصیبت جھیلنی اچھی۔

عورت نے جب دیکھا کہ وہ بالکل بد مزاج اور گرم ہو گیا ہے تو بھٹ رونے لگی۔ ظاہر ہے کہ رونا عورت کا زبردست جال ہے۔

پھر عاجزی سے کہنے لگی، میاں! میں تیری بیوی نہیں تیرے پاؤ کی خاک ہوں۔ میں تجھے ایسا نہ سمجھی تھی بلکہ مجھے تو تجھ سے دوسری ہی امید تھی۔ جسم و جان اور جو کچھ بھی میں ہوں سب کا تو ہی مالک ہے اور تو ہی میرا فرماں روا ہے۔ اگر نفروفاقے کی وجہ سے میرا دل مقام صبر سے ہٹا بھی ہے تو یہ اپنے لیے نہیں بلکہ تیرے لیے ہے۔ تو میری سب مصیبتوں اور بیماریوں کی دوا بنا رہا ہے اس لیے میرا جی نہیں چاہتا کہ تو بے سرو سامان رہے۔ تیری جان کی قسم یہ شکوہ و شکایت اپنے لیے نہیں بلکہ یہ آہ و واویلا تیرے لیے ہے۔ تو جدائی کی باتیں جو کرتا ہے یہ ٹھیک نہیں، جو چاہے کر گھر یہ نہ کر۔

اس طرح کی باتیں کہتی رہی اور روتے روتے اوندھے منہ گر پڑی۔ اس بارش میں سے ایک بجلی چمکی اور مرد کے دل پر اس کی ایک چمکاری جھڑپی۔ مرد اپنی گفتگو کی پشیمانی سے ایسا درد مند ہوا جیسے مرنا ہوا کو تو ال اپنے سابقہ ظلم کی یاد سے۔ جی میں کہنے لگا کہ جب اپنی جان کا میں شوہر ہوں تو اپنی جان کو میں نے لاتیں کیوں ماریں۔ پھر اس سے کہا، اے عورت! میں اپنے کئے پر پشیمان ہوں اگر پہلے میں کافر تھا تو اب مسلمان ہوتا ہوں۔ میں تیرا گنہگار ہوں میری معذرت قبول کر تیری مخالفت سے باز آیا۔ اب تجھے اختیار ہے تیغ میان سے نکال۔ جو کچھ تو کہے گی وہی بجالاؤ گی بدی نیکی غرض جو کچھ نتیجہ نکلے اس پر توجہ نہ کروں گا۔ میں تیرے وجود میں فنا ہو جاؤں گا، کیونکہ میں محب ہوں اور محبت اندھی اور بہری ہوتی ہے۔ عورت نے کہا کہ آیا یہ عہد تو نیکی کے ساتھ کر رہا ہے یا ایک حیلہ نکال کے میرے دل کا بھید لے رہا ہے؟ مرد نے کہا اُس خدا کی قسم جو تمام بھیدوں کا جاننے والا ہے جس نے خاک سے آدم جیسے پاک نبی کو پیدا کیا، اگر تیرے پاس میری یہ درخواست تیرا امتحان کرنے کی غرض سے ہے تو ذرا اس امتحان کو بھی آزما کر دیکھ۔ عورت نے کہا، دیکھ! آفتاب چمک رہا ہے اور ایک عالم اس سے روشن ہے۔ خدا کا خلیفہ اور رحمن کا نائب جس سے شہر بغداد زہار بنا ہوا ہے، اگر تو اس بادشاہ سے ملے تو خود بھی بادشاہ ہو جائے، اقبال مندوں کی دوستی بجائے خود کیسے ہو بلکہ ان کی ادنیٰ سی توجہ کے آگے کیسا بھی کیا چیز ہے صلح کی نظر ابو بکرؓ پر پڑ گئی۔ وہ ایک تصدیق میں صدیق ہو گئے۔ مرد نے کہا کہ بھلا میں بادشاہ کی نظر میں کیسے آسکتا ہوں، کسی بہانے کے بغیر ادھر کا رخ بھی نہیں کر سکتا عورت نے کہا کہ ہمارے مشکیزے میں برساتی پانی بھرا رکھا ہے، تیری ملک اور اور ہمسرو سامان جو کچھ ہے وہی ہے۔ اس پانی کے مشکیزے کو اٹھا کر لے جا اور اس نذر کے ساتھ شاہنشاہ کے حضور پیش ہو اور عرض کر کہ ہماری حج پونجی اس کے سوا اور کچھ نہیں،

بے آب و گیاہ ریگستان میں اس سے بہتر پانی نہیں پڑتا۔ چاہے اس کا خزانہ موتی اور جواہر سے لبریز ہو لیکن ایسا پانی اس کے خزانے میں نایاب چیز ہے۔ مرد نے کہا اچھی بات ہے۔ مشکیزے کا منہ بند کر دیکھ تو یہ نذرانہ ہمیں کیسا فائدہ پہنچاتا ہے۔ تو اس کو مندرے میں سی دے تاکہ بادشاہ اسی سوغات سے روزہ کھولے۔ ایسا پانی دُنیا بھر میں کہیں نہیں۔ یہ تو نعتی ہوئی شراب ہے۔

پس اس مردِ عرب نے مشکیزہ اٹھایا اور سفر میں دن کو رات اور رات کو دن کر دیا۔ ہرج مرج کے وقت مشکیزے کی حفاظت کے لیے بے قرار ہو جاتا تھا۔ اس گنہگاری کے ساتھ بیابان سے شہر تک لایا۔ ادھر عورت نے ہانڈا پھائی اور گڑگڑا گڑگڑا کر ای پروردگارِ حفاظت کر! ای پروردگارِ حفاظت کر! کا وظیفہ پڑھنے لگی۔

عورت کی دعا اور اپنی محنت و سعی سے آخڑہ عرب چوروں اور چھوڑوں کے پتھروں سے بچتا بچاتا صحیح سلامت دارِ اخلاف تک مشکیزہ لے گیا۔ وہاں بچھا کہ ایک بار گاہ عالی شان اور نہایت وسیع بنی ہوئی ہے اور اہلِ فرض اپنے اپنے پہنڈے بچھائے حاضر ہیں۔ ہر طرف کے دروازوں سے اہلِ حاجت آتے اور اپنی مُراد پاتے ہیں۔ جب اعلیٰ دور و دراز بیابان سے اس بار گاہ تک پہنچا تو نقیب آئے اور مہربانی و التفات کا گلاب اس کے منہ پر چھڑکنے لگے۔ شاہی نقیب بے کسے اس کی ضرورت کو سمجھ گئے، ان کا کام ہی یہ تھا کہ سوال سے پہلے عطا کریں۔ ان نقیبوں نے پوچھا کہ ای عرب کے شریف! تو کہاں سے آرہا ہے؟ اور مصائب و آلام سے کیا حال ہو گیا ہے؟ اس نے کہا اگر تم مجھے عزت دو تو میں شریف ہوں اور اگر منہ پھیر لو تو بالکل بے عزت ہوں۔ ای امیر و تھاک چہروں پر امارت برستی ہے، تمہارے چہروں کا آب و رنگ کچے سونے سے

زیادہ خوش رنگ ہو۔ میں مسافر ہوں ریگستان سے بادشاہ کے گرم و بخشنش کی امید پر آیا ہوں۔ اُس کی خوبیوں کی خوش بویا بانوں تک پہنچی ہو۔ ریت کے ذروں تک میں جان آگتی ہو۔ یہاں تک تو میں اشرفیوں کی خاطر آیا تھا مگر جب یہاں پہنچا تو اس کے دیدار کے لیے بے قرار ہو گیا۔ میں اس دروازے پر ایک مادی چیز کی طلب میں آیا تھا، مگر جب اس دہلیز پر پہنچ گیا تو خود ہی صدر ہو گیا۔ پھر اس مشکیزے کو پیش کر کے کہا کہ یہ ہدیہ حضور سلطان میں پہنچاؤ اور بادشاہی سوالی کو ضرورت و حاجت سے بے نیاز کرو اور عرض کرو کہ یہ میٹھا پانی سوندھی مٹی کے گھرے کا ہے جس میں برساتی پانی جمع کیا گیا تھا۔ نقیبوں کو اس کی اس تعریف پر ہنسی آنے لگی لیکن انہوں نے جان کی طرح اس مشکیزے کو اٹھایا کیونکہ بیدار مغز اور نیک دل بادشاہ کی خوب سب ارکانِ سلطنت میں اشرک گئی تھی۔

جب خلیفہ نے دیکھا اور اس کا حال سنا تو اس کے مشکیزے کو اشرفیوں سے بھر دیا۔ ایسے انعام و اکرام اور خلعت دیے کہ وہ عرب بھوک پیاس کو بھول گیا۔ پھر ایک نقیب کو اس دریا سے کرم بادشاہ نے اشارہ کیا کہ یہ اشرفیوں بھرا مشکیزہ اس کے ہاتھ میں دیا جائے اور واپسی میں اس کو دریا سے دجلہ کے راستے روانہ کیا جائے، وہ بڑے طول طویل راستے سے آیا ہے اور دجلہ کی راہ سے بہت نزدیک ہو جاتا ہے۔ کشتی میں بیٹھے گا تو ساری اگلی ٹھکن بھی بھول جائے گا۔ نقیبوں نے یوں ہی کیا، اس کو اشرفیوں سے بھر کر مشکیزہ دے دیا اور دجلہ پر لے پہنچے۔ جب وہ عرب کشتی میں بیٹھا اور دجلہ دیکھا تو مارے شرم کے اس کا سر جھک گیا۔ سجدے میں گر کے کہنے لگا داتا کی دین بھی نرالی ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ اس نے میرے تلخ پانی کو قبول کر لیا۔ اس دریا سے جو دنے میری خراب اور کھوٹی جنس کو بغیر پس و پیش کیے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

نخوی اور کشتی بان

ایک نخوی کشتی میں بیٹھا اور خود پرستی سے کشتی بان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تم نے کچھ بھی نحو پڑھی ہے۔ کشتی بان نے کہا، نہیں، نخوی نے کہا کہ افسوس تو نے اپنی آدمی عمر ضائع کی۔ کشتی بان مارے غصے کے پوچھ و تاب کھانے لگا مگر اس وقت خاموش رہا۔ اتفاقاً ہوا کے جھلکے نے کشتی کو ایک بھٹور میں لا ڈالا۔ کشتی بان نے نخوی سے باوا بزند کہا کہ حضرت! آپ کو تیرنا بھی آتا ہے یا نہیں۔ نخوی نے کہا نہیں مجھے تیرنا نہیں آتا۔ کشتی بان نے کہا کہ ای نخوی! تیری ساری عمر ضائع گئی کیونکہ کشتی اب گرداب میں ڈوبنے والی ہے۔

اس کہانی کی غرض یہ ہے کہ آدمی کو کسی ایک علم یا فن میں کمال حاصل ہو جانے پر شیخی نہ کرنی چاہیے +



ایک قزوینی کا گوند الگوانا اور سوئی کے کچوکوں کی تائب لانا

ایک روایت سنو کہ اہل قزوین میں رسم ہے کہ جسم کے مختلف حصوں جیسے ہاتھ، بازو پر شیر، چیتے وغیرہ کی تصویریں اتروا کر گوند الگوانے ہیں۔ ایک حجام کے پاس قزوینی گیا کہ مجھے گوند الگوا اور منہ مانگی اجرت لے۔ حجام نے پوچھا کہ ای پہلوان گوند کس شکل کا لگاؤں، اس نے کہا کہ بہت ہی بچھرے ہوئے شیر کا۔ چونکہ میرا طالع شیر کا ہے اس لیے نقش بھی شیر کا چاہیے اور بہت خوب صورت لگا اور نیلا رنگ خوب گہرا بھر دے۔ حجام نے پوچھا کہ اچھا! شیر کی تصویر کہاں گودوں، کہا شانے پر گود تاکہ جنگ کے میدان اور راگ رنگ کی محفل میں ایسے بچھرے

ہوئے شیر کی تصویر سے میری ہمت بڑھے اور پختہ ارادہ پیدا ہو۔
 جب حجام نے سوئی چھوئی شروع کی تو اس کے شانے میں درد ہونے لگا
 پہلوان نے چیخ پکار شروع کی کہ بھلے آدمی تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا، یہ تو کس طرح گود
 رہا ہے۔ حجام نے کہا کہ آپ نے تو شیر کی تصویر گودنے کو کہا تھا نا! پہلوان نے جھٹکا کر کہا،
 آخر تو نے کس عضو سے ابتدا کی۔ حجام نے کہا کہ میں نے دم سے شروع کیا، پہلوان
 نے کہا کہ دم کو چھوڑ دے۔ اس کی دم سے میرا سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ گیا
 اور شیر بنانے والے اگر شیر بے دم کا بھی ہو تو کیا ہرج ہے کیونکہ نشتروں کے چھیننے سے
 میرا دل ڈوبا جاتا ہے۔ تب حجام نے نقش کے دوسرے رخ سوئی مارنی شروع کی
 پہلوان بلبلا اٹھا اور کہا کہ شیر کا یہ کون سا عضو گود رہا ہے۔ حجام نے کہا کہ حضرت! یہ
 تو صرف اس کا کان ہے۔ قزوی نے کہا کہ ہمارے شیر کے کان نہ ہونے چاہئیں اس
 لیے تو کان گودنا چھوڑ دے۔ حجام نے نقش کے ایک تیسرے رخ سوئی چھوئی شروع
 کی۔ قزوی نے پھر ڈھائی دی کہ یہ شیر کے جسم کا کون سا حصہ ہے حجام نے کہا کہ یہ پیٹ
 کا حصہ ہے۔ پہلوان نے کہا کہ مجھے شیر کے پیٹ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ خود میں
 پیٹ کے درد سے مر اجاتا ہوں۔ اگر شیر کے نقش میں سے پیٹ نکال بھی دیا جائے
 تو کیا ہرج ہے۔

حجام کا چہرہ مارے غصے کے تہمتانے لگا اور بہت دیر تک اٹھکی دانتوں
 میں دبائے چیراں رہا۔ آخر زمین پر سوزن پھینک کر کہا کہ دنیا میں کسی کو بھی ایسا
 سابقہ پڑا ہے۔ بھلا بے دم اور بے سہرا اور بے پیٹ کا شیر کس نے دیکھا ہے۔
 ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا +

شیر بھڑیے اور لومڑی کا لکڑکار کو کلنا

شیر، بھڑیا اور لومڑی لکڑکار کی تلاش میں پہاڑیوں پہاڑیوں نکل گئے اگرچہ شیر نر کوان کی ہمراہی سے شرم آتی تھی لیکن کشادہ دلی کو کام میں لا کر ساتھ لے لیا۔ ایسے بادشاہ کو لاؤ لشکر زحمت کا باعث ہوتا ہے لیکن جب لشکر ساتھ ہو گیا تو پھر جماعت رحمت ہے۔ جب وہ جماعت کو ہستان میں بڑے تڑک اور شان شوکت سے شیر کے ساتھ گئی تو ان کو جنگلی گائے، جنگلی بچرا اور خرگوش بہت موٹے تازے ہاتھ آئے اور ان کی جرأت بڑھ گئی۔ جو جنگ بڑا شیر کے ساتھ ہوتا ہے اسے دن رات اچھے کھانے ملتے ہیں۔ غرض جب وہ اپنا تازہ تازہ شکار پہاڑ سے اتار کر میدان میں لائے تو بھڑیے اور لومڑی کو طبع پیدا ہوئی اور جی میں کہنے لگے کہ شکار کی تقسیم انصاف کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ان کی طبع کا عکس شیر کے دل پر بھی پڑا اور وہ ان کی نیت تار گیا لیکن اس بات کو ظاہر نہ کیا مگر اپنے جی میں کہا کہ بھلا سے بھلا کر یو! میں تم کو اس کی سزا دوں گا۔ تمہیں میرا اطمینان نہ ہوا بلکہ تم کو مسیری داد و دہش پر بدگمانی ہوئی۔

پس شیر نے کہا، اے پڑانے بھڑیے! تو ہی عدالت کا طریقہ تازہ کر۔ شکار تقسیم کرنے کی خدمت پر میں تجھے اپنا نائب مقرر کرتا ہوں تاکہ تیری قابلیت ظاہر ہو۔ بھڑیے نے کہا کہ اے بادشاہ! جنگلی گائے تیرا حق ہے کیونکہ تو بھی بڑا ہے اور بچرا میرا حق ہے بچرا بچرا اس کا شکار ہے اور خرگوش بے کھٹکے لومڑی کو دے دینا چاہیے شیر نے کہا، اے بھڑیے اس کا جواب دے کہ میرے سامنے تو نے اپنے کو ہم اور مجھ کو تو کیسے کہا۔ بھڑیا کون کتا ہے جو مجھ جیسے بے مثل و نظیر شیر کے آگے خود بینی کرے۔ پھر اُسے آگے بلایا اور جب وہ سامنے آیا تو ایک پنچہ

مارا اور پھاڑ ڈالا اور کہا کہ جب میری حضور ہی بھی اس کی خودی کو دور نہ کر سکی تو ایسے کو وہاں مارنا چاہیے جہاں پانی نہ ملے اس کے بعد شیر نے لومڑی کی طرف رخ کیا اور کہا کہ کھانے کے لیے اس شکار کو تقسیم کر۔ لومڑی آداب بجالا کر گویا ہوئی کہ ای شاہِ ذی جاہ یہ مولیٰ مٹھائے تو حضور کے صبح کے خاصے کے واسطے ہو اور یہ بکرا دوپہر کی بھینجی کے لیے اور یہ خرگوش بھی شام کو حضور کی شکار کے کام آئے گا۔ شیر نے کہا کہ ای لومڑی تو نے عدل کو روشن کر دیا، ایسی تقسیم تو نے کس سے سیکھی۔ ای معزز لومڑی! سچ بنا تو نے یہ ترکیب کہاں سے اڑائی، لومڑی نے عرض کی، ای جہاں پناہ! میں نے بھیڑیے کے حال سے عبرت پڑھی۔ شیر نے کہا کہ جب تو نے ہمارے لیے اپنی ذات منادی تو یہ تینوں شکار تو ہی لے جا۔ ای لومڑی! جبکہ تو ہاڑی ہو چکی تو ہم بھی تیرے ہیں اور سب شکار بھی تیرے ہیں، اب چاہے آسمان ہفتم پر قدم رکھے، سب منظور۔ تو نے ذلیل بھیڑیے کے انجام سے عبرت پڑھی تو لومڑی کا ہے کوہی تو میری شیرو۔

لومڑی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مجھے بھیڑیے کے بعد بلا یا گیا۔ اگر پہلے پہل مجھ کو کھم دیتا کہ شکار تقسیم کر تو جان کیونکر بچتی۔

پس خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے ہم کو اٹھلوں کے بعد پیدا کیا اور ہم نے گزشتہ قوموں پر خدا کی سزاؤں کو سنا تا کہ ہم ان اٹکلے بھیڑیوں کے انجام سے آگاہ ہو کر لومڑی کی طرح اپنے درجے کو بڑے نظر رکھیں۔ حضرت رسولِ برحق نے اپنی حدیثِ شریفہ میں ہم کو اُمتِ مرحومہ اسی لیے فرمایا کہ اے بھلے مانو! اٹکلے بھیڑیوں کی ہڈیوں اور اکھڑے ہوئے بالوں کو دیکھ کر عبرت پڑو۔ عاقل آدمی جب شاہانِ فراعنہ اور قومِ عاد کا انجام سنا ہی تو اپنے دماغ سے غرور و نخوت نکال دیتا ہے اور اگر باوجود اس کے بھی غرور و نخوت دُور نہ کرے تو دیکھنے والے اس کی گمراہی سے سبق لیتے ہیں +

ایک شخص کا در محبوب کی کُنڈی کھٹکھٹانا اور میں ہوں، کہتا

ایک شخص در محبوب پر آیا اور کُنڈی کھٹکھٹائی۔ محبوب نے پوچھا کون صاحب ہیں! جواب دیا کہ ”میں ہوں“ محبوب نے کہا، چل دُور ہو ابھی ملاقات نہیں ہو سکتی۔ تجھ جیسی کچی چیز کی اس دسترخوان پر کوئی جگہ نہیں۔ بجز و فراق کی آگ کے بغیر کچی جنس کیسے پک سکتی ہے جو اس کے ظاہر و باطن کو ایک کر دے چونکہ ابھی تک تیری ”تُوئی“ تجھ میں سے نہیں گئی ہے اس لیے تجھے ابھی غم کی آگ میں تپنا چاہیے۔ یہ جواب سن کر وہ بے چارہ در محبوب سے اُٹنا پھرا اور سال بھر تک جدائی کی آگ کے چر کے کھاتا رہا۔ جل جلا کر خوب پتکا ہو گیا تو دوبارہ واپس آیا اور محبوب کی بارگاہ کے اطراف صدقے ہونے لگا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اور بڑے ادب سے پھر کُنڈی کھٹکھٹائی کہ کہیں کوئی بے ادبی کا لفظ منہ سے نہ نکل جائے۔ محبوب نے اندر سے آواز دی کہ دروازے پر کون ہے۔ اس نے جواب میں عرض کیا، ساجھ دل رُبا تو ہی ہے۔ محبوب نے حکم دیا کہ اب جب کہ تو میں ہی ہے تو اندر چلا آ کیونکہ ایک ذات میں دو میں کی گنجائش نہیں۔ جب ایک ہی ایک ہو تو پھر دوئی نہ صرف سٹ جاتی ہے بلکہ میں پن اور تو پن کے دونوں اشارے جاتے رہتے ہیں +



ایک دوست کا حضرت یوسفؑ سے ملنے آنا اور حضرت یوسفؑ کا اس پر طلب کرنا

ایک مہربان دوست کسی پرنٹک سے آیا اور یوسف صديقؑ کا ہمان ہوا۔ چونکہ دونوں کھیل کود کے زمانے کے یار تھے اس لیے یارانے کے گاؤں میں پرٹیکا لگا کر بیٹھے۔ دوست نے یوسفؑ کے بھائیوں کے ظلم اور حسد کا تذکرہ کیا، آپ نے جواب دیا کہ

وہ واقعہ زنجیر تھا اور میں شیر اور یہ ظاہر ہے کہ شیر کی زنجیر میں جکڑے جانے سے کوئی بے عزتی نہیں ہوتی۔ اگر شیر کی گردن میں زنجیر پڑی ہوئی ہو تو بھی وہ سب گرفتاروں کا صدر ہوتا ہے۔ مہمان نے پوچھا کہ تم پر قید خانے اور کنوئیں میں کیا گزری، جو اب دیا کہ جیسی چاند گمن اور زوال کی راتوں میں چاند پر گزرتی ہے۔ جب وہ پوچھ گچھ چکا تو یوسفؑ نے پوچھا کہ ارے میاں! تو میرے لیے کیا تحفہ لایا وہ تو لا۔ دوستوں کے دروازے پر خالی ہاتھ آنا ایسا ہے جیسے پون چکی پر بے گیہوں کے جانا۔ وہ دوست ارے شرم کے اس تقاضے سے رو نہار ہو گیا مگر یوسفؑ کا اصرار بڑھتا ہی گیا کہ میرے لیے جو سوگنا لایا ہے، وہ دکھا۔ آخر دوست نے کہا کہ میں نے تیرے تحفے کے لیے بہتیرا سوچنا مگر کوئی تحفہ تیرے لائق میری نظر میں نہ چھا۔ بھلا میں ایک دانہ جو اہر کو اتنی بڑی کان میں کیا لاتا اور ذرا سے قطرے کو ایسے بڑے دریا تک کیا پہنچاتا۔ اور اگر اپنا دل و حبان تیرے لیے تحفہ لاؤں تو وہ بھی ایک زیرے کو ملک کرمان میں پہنچانے کے برابر ہے۔ البتہ تیرا حق وہ وصف ہے جس کی مثال نہیں۔ اس لیے مجھے مناسب ہی معلوم ہوا کہ نور سینہ کی مانند میں ایک آئینہ تیرے حضور میں لاؤں۔ تو جو آسمان کی شمع یعنی سورج کی طرح ساجے عالم کی شمع ہے میں تیرے نیلے ایک آئینہ لایا ہوں تاکہ تو اپنی موہنی صورت اس میں دیکھے اور جب کبھی تو اپنی صورت اس میں دیکھے تو مجھے یاد کرے۔ یہ کہہ کے اس نے بغل سے آئینہ نکالا اور حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش کر دیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ حسینوں کے سامنے آئینہ آتا ہے تو پھر وہ اسی میں مشغول ہو جاتے ہیں +



صنعتِ نقاشی میں چینوں اور رومیوں کا مقابلہ

چینیوں کو اپنی نقاشی پر گمنڈ تھا اور رومیوں کو اپنے کمال کا غرہ۔ سلطان نے حکم دیا کہ میں تم دونوں کا امتحان کروں گا۔ چینیوں نے کہا کہ بہت بہتر ہم اپنی جان لٹا دیں گے رومیوں نے بھی عرض کیا کہ ہم بھی اپنا کمال دکھا دیں گے۔ الغرض اہل چین و اہل روم میں مقابلہ ٹھہر گیا۔ چینیوں نے رومیوں سے کہا کہ اچھا ایک مکان ہمارے حوالے کر دو اور ایک تم لو۔ دو مکان آسنے سامنے تھے ان میں سے ایک چینیوں کو ملا اور دوسرا رومیوں کو چینیوں نے سینکڑوں قسم کے رنگوں کی فریاش کی۔ بادشاہ نے مخزن کا دروازہ کھول دیا۔ ہر صبح چینیوں کو وہاں سے رنگوں کا راتب ملنے لگا۔ رومیوں نے کہا کہ ہم نہ کوئی نقش بنائیں گے اور نہ رنگ لگائیں گے، بلکہ اپنا کمال اس طرح دکھائیں گے کہ زنگ باقی نہ رہے، چنانچہ انھوں نے دروازہ بند کر کے صیقل کرنی شروع کی اور آسمان کی طرح بالکل سادہ اور شفاف گھوٹا کر ڈالا اور اُدھر چینی اپنے کمال و ہنرمندی سے فاسخ ہو کر خوشی کے شادیاں بجانے لگے۔ بادشاہ نے آکر چینیوں کا کام دیکھا اور اُن کے عجائبات نقش و نگار کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس کے بعد رومیوں کی طرف آیا، انھوں نے اپنے کام پیسے پر دہ اُٹھایا۔ چینیوں کی تصاویر و تماثیل کا عکس ان گھوٹا دی ہوئی دیواروں پر پڑا جو کچھ چینیوں نے نقاشی کی تھی وہ اسی گھوٹا کی ہوئی دیوار پر اس قدر خوب صورت معلوم ہوئی کہ آنکھوں کو حدتہ چشم سے باہر کھینچے لیتی تھی۔

اوسر زبند! رومیوں کی مثال اُن با خدا صوفیوں کی ہے جو نہ کتبِ دین پرٹھے ہوئے ہیں نہ فضیلتِ علم و ہنر رکھتے ہیں لیکن انھوں نے طمع، حرص، بحسب اور کینے وغیرہ کے زنگ سے اپنے سینوں کو مانجھ کر ایسی صیقل کر لی ہے کہ ان کے دل صاف شفاف آئینہ ہو گئے ہیں جس میں ازلی حسن کا جو صورت سے پاک ہو نقش اُتر آتا ہے وہ

غلاموں کا نعمان پر الزام لگانا کہ سبھی سے کھا گیا

حضرت نعمان ایک شخص کے غلام تھے، وہ امیر اپنے تمام غلاموں میں نعمان ہی کو بہت کم زور اور بدرؤ پاتا تھا۔ وہ امیر سب غلاموں کو میوہ چھنے کے لیے باغ روانہ کیا کرتا تھا۔ نعمان بھی ان سب غلاموں کے ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ سر سے پیر تک عقل مجسم مگر صورت کالی رات کی طرح سیاہ تھی۔ وہ غلام جو میوے جمع ہوتے ان میں سے خود بھی کھا جاتے تھے۔ ایک بار امیر کو خبر ہو گئی اس نے دریافت کیا تو غلاموں نے جواب دیا کہ نعمان کھا گیا، امیر نعمان پر خطا ہوا اور ان پر سختی کرنے لگا۔ جب حضرت نعمان نے عرض کی کہ اے مالک! خدا کے پاس بے ایمان بندے کی بخشائش نہیں لہذا بہتر یہ ہے کہ آزمائش کی جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ گرم پانی سب کو پلایا جائے اور ایک جنگل میں تو سوار ہو کر گھوڑا دوڑا اور ہم سب تیرے گھوڑے کے ساتھ دوڑیں۔ اس کے بعد بھیدوں کے کھولنے والے خدا کی امداد سے تو اصلی چور کو پا جائے گا۔

امیر نے گرم پانی تیار کر لیا اور سب غلاموں کو خوف کے مارے پینا پڑا اور پھر ان کو جنگلوں اور کشتزاروں میں خوب دوڑایا۔ اس دوڑ دھوپ سے ان کا جی ہاش کرنے لگا اور آخر کار سارا کھاپا یا نکل گیا اور نعمان کو جوتی ہوئی تو وہ بالکل صاف ہوئی۔ اور اس کے معدے سے صرف پانی نکلا۔

جب نعمان کی حکمت یہ کچھ کر سکتی، تو مالک الملک کی حکمت کھولنے کھرے کو الگ کر دکھانے میں کیا کچھ نہیں کر سکتی +

ایک شہر کو آگ لگنی حضرت عمرؓ کے زمانے میں

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک شہر کو آگ لگی وہ اس بلا کی آگ تھی کہ پتھر کو خشک لکڑی کی طرح جلا کر رکھ کر دیتی تھی۔ وہ مکاؤں اور مصلوں کو خاک سیاہ کرتی ہوئی پرندوں گھونسلوں اور آخر کار ان کے پروں میں بھی لگ گئی۔ اس آگ کے شعلوں نے آدھا شہر لے ڈالا یہاں تک کہ پانی بھی ان شعلوں کی تاب نہ لاتا تھا۔ اہل تدبیر ان پر پانی اور سر کے کے پرنا لے بہاتے تھے مگر معلوم ہوتا تھا کہ پانی اور سر کہ آگ بھڑکانے میں اور مدد پہنچاتا ہی۔ آخر کار خلقت حضرت عمرؓ کے پاس دوڑی آئی اور عرض کی کہ ہماری آگ کسی پانی سے نہیں بجھتی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آگ خدا کے غضب کی علامات سے جو اور یہ تمہارے جمل کی آگ کا صرف ایک شعلہ ہے۔ لہذا پانی کو تھوڑا اور روٹی تقسیم کرو اور آئندہ کے لیے اگر میرے شیخ ہو تو جمل کو ترک کرو۔ خلقت نے کہا ہم نے پہلے سے دروازے کھول رکھے ہیں اور ہم ہمیشہ سے صلہ رحم کرنے والے اور سخی رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ وہ سخاوت تم نے از روئے رسم و عادت کی تھی تم نے خدا کی راہ میں دروازہ نہیں کھولا تھا۔ تم نے جو کچھ دیا وہ شیخی اور اپنی بڑائی دکھانے کے واسطے دیا خدا کے خوف اور عاجزی سے نہیں دیا۔ اور ایسی دکھاؤ کی سخاوت اور خیرات سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔



حضرت علیؓ پر ایک کافر کا تھوکنہ اور آپ اس کے قتل سے باز رہنا

حضرت علیؓ کے عمل سے اخلاص کا طریق سکھ۔ وہ خدا کے شیر تھے اُن کا فعل انسانیت سے پاک تھا۔ ایک جنگ میں جب ایک دشمن زدیں آیا تو آپ تلوار سونت کر بچھٹے۔ اس نے حضرت علیؓ کے چہرہ پر زور پر جو ہرنی دہلی کا فخر تھے ہتھوک دیا۔ اس نے ایسے چہرے پر

تھو کا کہ اگر چاند بھی مقابل آئے تو اس کے سامنے سجدہ بجالائے مگر حضرت علیؑ اپنا غصہ پنی گئے اور اسی وقت تلوار پھینک کر اس کا فر پہلوان سے کنارہ کرنے لگے۔ وہ پہلوان آپ کی اس حرکت سے حیران ہو گیا کہ بھلا اظہارِ عفو اور رحم کا یہ کیا عمل تھا! اس نے پوچھا کہ تم نے مجھ پر ابھی تو شمشیرِ آب دار کھینچی اور ابھی کے ابھی تلوار پھینک کر مجھے چھوڑ دیا اس کا کیا سبب ہے۔ میری جنگ آزمائی میں تم نے ایسی کیا بات دیکھی کہ مجھ پر غاب آنے کے بعد بھی مقابلے سے بیٹے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں صرف خدا کے لیے تلوار مارتا ہوں کیونکہ خدا کا بندہ ہوں اپنے نفس کا بندہ نہیں ہوں میں خدا کا شیر ہوں، خواہشاتِ نفس کا شیر نہیں ہوں اور یہی میرا عمل میرے دین کا گواہ ہے غضب و غصہ با دشا ہوں پر ظلم اور سہارا غلام ہے اس لیے غضبِ غصہ پر میں نے زینِ کلام لگالی ہے میرے صبر کی تلوار نے میرے غضب و غصہ کی گردن مار دی ہے اور حق کا غضب بھی مجھ پر رحمت کی طرح چھایا ہے جو اے حضرت پیغمبرِ صلعم نے میرے ذکر کے کان میں فرمایا کہ ایک دن وہ میرا سر تن سے جدا کر دے گا۔ وہ ذکر مجھ سے کتنا رہتا ہے کہ آپ پہلے ہی مجھے قتل کر دیجیے کہ ایسی سنگین خطا مجھ سے سرزد نہ ہونے پائے مگر میں اسے ہی جواب دیتا ہوں کہ جب میری موت میرے ہاتھ سے ہونے والی ہے تو میں خدا کے حکم کے مقابلے میں حیلہ کیوں تراشوں اس طرح میں دن رات اپنے قاتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں مگر مجھے اس پر غصہ نہیں آتا کیونکہ جس طرح آدمی کو جان پیاری ہے اسی طرح مجھے موت پیاری ہے کیونکہ یہی موت میری دوسری زندگی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہے۔ بے موت مرنا ہم پر حلال ہے اور بے سامان جینا ہمارے لیے نعمت ہے۔

پھر حضرت امیر المؤمنینؑ نے اس پہلوان سے کہا کہ اے جوان جب کہ جنگ آزمائی کے وقت تو نے میرے منہ پر تھوکا تو میرے نفس کو حرکت ہوئی اور میری نیت دوسری ہو گئی یعنی جنگ کی غرض و غایت آدمی خدا واسطے اور آدمی اپنے نفس کی طرف سے ہو گئی حالانکہ خدا کے کام میں دوسرے کی شرکت جائز نہیں۔ تو میرے مالک کے ہاتھ

کی بنائی ہوئی صورت ہے اور تو اس کی ملک ہے میری نہیں۔ خدا کے نقش کو خدا ہی کے حکم سے توڑنا چاہیے اور دوست کے شیشے پر اسی کا پتھر مارنا چاہیے۔

اس کا فریہلو ان نے جو یہ تقریر سنی تو اس کے دل میں ایک نور پیدا ہوا اور اس نے زہار توڑ ڈالا اور کہا کہ ہاے انہوں میں اب تک ظلم کے بیج بوج رہا تھا میں تو تجھے کچھ اور سمجھتا تھا لیکن تو خدا کا اندازہ لگانے کی نہ صرف ترازو ہے بلکہ ہر ترازو کی ڈنڈی ہے۔ میں اس شیخ کی خصلت والے چراغ کا غلام ہوں کہ جس سے تیرے چراغ نے روشنی پائی ہے، میں اس دریا سے نور کی موج کا غلام ہوں جو ایسے ایسے موتی باہر لاتی ہے۔ لہذا مجھے اپنے مذہب کا کلمہ شہادت سکھا کیونکہ میں نے تجھ کو اپنے سے زیادہ سر بلند پایا۔

الفصہ اس پہلو ان کے قریب جس قدر اس کے رشتے دار اور اہل قوم جمع تھے سب نے پر دانہ دار دین اسلام قبول کیا حضرت نے صرف تیغِ علم سے اتنی خلقت کو بندہ حلقہ بگوش بنایا اور ان کے گلوں کو شمشیرِ آبِ دار سے بچایا لہذا تیغِ علم فولاد سے زیادہ تیز ہلکہ فتح و کامرانی میں سوشکروں پر فائق ہے۔

دفترِ روم

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص کا خیال کو ہلال سمجھ لینا

جب دل کا آئینہ صاف ہو جائے تو اس عالمِ آب و گل سے بالاتر عالموں کے نقش بھی تو دیکھ سکتا ہے بلکہ تو نقش و نقاش دونوں کو دیکھ سکتا ہے، لیکن اگر آنکھ کے سامنے ایک بال بھی آڑا ہو جائے تو تیرا خیال (قیاس) ڈریشا ہوا رکھ ہی پوتمہ بتلاتا ہے۔ تو پوتمہ اور موئی میں اس وقت فرق سمجھ سکتا ہے کہ جب اپنے خیال پر اڑنے سے باز آئے۔ اور ڈریشا ہوا پہچاننے والے ! ایک حکایت سننا کہ تو حقیقت اور خیال کا فرق سمجھ سکے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں رمضان کا مہینہ آیا تو لوگ چاند دیکھنے کے لیے ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھنے شروع کریں۔ ایک شخص نے کہا کہ یا عمر، دیکھو! یہ زہا چاند۔ جب حضرت نے آسمان پر چاند نہ دیکھا تو کہا: چاند تیرے خیال سے پیدا ہوا ہے ورنہ میں افلاک کو تجھ سے زیادہ دیکھنے والا ہوں۔ مجھے اندکیوں نظر نہیں آتا۔ پھر اس سے کہا کہ یا تمہ بھلو کر اپنی بھول پر پھیر اور پھر آسمان کی طرف دیکھ، ہاں پھر بھی مجھے چاند نظر آتا ہے یا نہیں۔ جب اس نے بھول کو بھگو کر سب ہال یکساں کر کے دیکھا لہا کہ یا حضرت! اب تو چاند کہیں نہیں۔ وہ تو غائب ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں ہی بھول کے ہال نے خم کھا کر تجھے وہم میں ڈالا تھا۔ یعنی اس کی بھول کا ایک ہال میزھا یا تو اس ہال سے نئے چاند کا دھوکا ہونے لگا۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ جب ایک ہال کے مڑ کر سامنے آ جانے سے دیکھنے والے

اور آسمان کے درمیان پردہ ہو جاتا، تو جب تیرے سارے اجزائے فطرت پھیرھے ہو جائیں تو کس قدر دھوکا ہو سکتا ہے۔ اسی سیدھا راستہ تلاش کرنے والے! اپنے اجزا کو پتھوں کے پاس سپیدھا کرتا وہی ترازو کو درست کرتی ہے اور ترازو ہی ترازو کو غلط کرتی ہے۔ جو گمراہوں کے ساتھ تلتا ہے خود اس کا وزن بگڑ جاتا ہے اور اس کی عقل نکھوئی جاتی ہے۔



ایک چور کا دوسرے سپیرے کا سانپ چڑا لینا

ایک چور نے کسی سپیرے کا سانپ چڑا لیا اور بے وقوفی سے مال موذی نصیب غازی سمجھا۔ سانپ زہر ملا تھا۔ سپیرا تو ڈسنے سے محفوظ رہا لیکن چور اسی سانپ سے ڈسا گیا۔ سپیرے نے جب اسے دیکھ کر پہچانا تو کہا کہ اس نے میرے سانپ کی جان سے زیادہ رکھیا کی ریسری جان یہ دعا کرتی تھی کہ الہی ایسا کر کہ اپنے چور کو پکڑوں اور سانپ چھین لوں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ دعا منظور نہیں ہوئی اور جو بات میری مرضی کے خلاف تھی وہی نائدہ مند نکلی۔ آدمی بہت سی ایسی دعائیں کرتا ہے جو اگر پوری ہو جائیں تو نقصان و ہلاکت واقع ہو لیکن خدا اپنے کرم سے ایسی دعاؤں پر توجہ نہیں فرماتا۔ دعا کرنے والا خدا سے شکایت اور پگمائی کرتا ہے حالانکہ اس کی دعا کا نام مقبول ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ اس نے اپنے لیے آپ ہی مصیبت کی دعا کی تھی اور خدا نے محض اپنے کرم سے اس کو بول نہ کیا۔



ایک ہمراہی کا حضرت عیسیٰ سے بیٹوں کو جلا دینے پر ہرار کرنا

ایک بے وقوف حضرت عیسیٰ کا شریک سفر تھا اس نے ایک گھر سے گڑھے میں تہیاں دکھ کر کہا کہ اللہ! وہ کیا نام پاک ہے جس سے تو مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ مجھے بھی تو وہ نام پاک

سکھا دے تاکہ ان پُرانی تہیوں میں جان ڈال دوں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا، تو چپ رہ۔ یہ کام تیرا نہیں، تیرا دم اور تیری زبان اس کام کے لائق نہیں۔ اس نے کہا خیر اگر میں ان اسرار کو زبان پر نہیں لاسکتا تو تو ہی ان تہیوں پر کچھ پڑھ کر دم کر دے۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے دل میں کہا کہ الٰہی یہ بھید کیا ہے۔ اس بے وقوف کو اتنا اصرار کیوں جو گیا ہے۔ اس بیمار کو اپنا غم کیوں نہیں اور اس مُردار کو اپنی جان کی فکر کیوں نہیں۔ اس نے اپنے مردے کو چھوڑ دیا ہے اور بیگانے مُردے سے جلائے جا رہا ہے۔ خدا نے وحی کی کہ بد اقبالی کو بد اقبالی ہی کی تلاش ہوتی ہے کیونکہ کانٹوں کا اُگنا ان کے بوئے جانے کا بدلہ ہے۔ جب حضرت عیسیٰ نے دیکھا کہ وہ بے وقوف ہم سفر سوائے بحث و تکرار کے ایک قدم آگے بڑھنا نہیں چاہتا اور اپنی بے عقلی کی وجہ سے کوئی نصیحت مستبول نہیں کرتا بلکہ اپنی گم راہی کی وجہ سے (مبصرہ نہ دکھانے کو) بھٹل بھٹتا ہے تو حضرت عیسیٰ نے اس کی درخواست کے مطابق ان تہیوں پر خدا کا نام دم کیا۔ خدا کے حکم سے وہ تہیاں زندہ ہو گئیں۔ یکایک دیکھا کہ وہ تو ایک شیر سیاہ تھا اس نے ایک پھلاناگ مارنی اور پنچہ مار کر اس شریک سفر کو پھاڑ ڈالا۔ اس کا کتہ توڑ کر بیجا پاش پاش کر دیا اور اس کا خول ایسا رہ گیا جیسے اس میں کبھی مغز تھا ہی نہیں۔

حضرت عیسیٰ نے شیر سے پوچھا کہ تو نے اس قدر جلد کیوں پھاڑ ڈالا۔ شیر نے جواب دیا کہ اس وجہ سے کہ آپ اس سے ناراض ہو گئے تھے۔ پھر حضرت عیسیٰ نے پوچھا کہ اس کا خون تو نے کیوں نہیں پیا۔ شیر نے جواب دیا کہ میری قسمت میں رزق نہیں تھا۔ اگر مجھے اس جہان میں روزی ہوتی تو مُردوں میں داخل ہونے سے کیا کام تھا۔ یہ سزا اس کی جو آئے لال گد سے کی طرح پیر مار کر گد لاکر دیتا ہے۔ اگر نہر کی تندرگہ جا جانے تو بجائے پاؤں کے اس میں سر رکھے +

ایک صوفی کا اپنا نچر خادم خانقاہ کے حوالے کرنا اور خود بے فکر ہو جانا

ایک صوفی سیر و سفر کرتا ہوا کسی خانقاہ میں رات کے وقت اتر پڑا۔ سواری کا نچر تو اس نے اصطبل میں باندھا اور خود خانقاہ کے اندر مقام صدر میں جا بیٹھا۔ اہل خانقاہ پر مدد و نظر کی کیفیت طاری ہوئی۔ پھر وہ میہمان کے لیے کھانے کا خوان لائے۔ اس وقت صوفی کو اپنا نچر یاد آیا۔ خادم کو حکم دیا کہ اصطبل میں جا اور نچر کے واسطے گھاس اور جوہتیا کر۔ خادم نے کہا لا حول و لا۔ آپ کے فرمانے کی ضرورت کیا ہے، میں ہمیشہ سے یہی کام کیا کرتا ہوں۔ صوفی نے کہا کہ جو کو ذرا پانی کا چھینٹا دے کر بھگو دینا کیونکہ وہ نچر بڑھا ہو گیا ہے اور دانت اس کے کمزور ہو گئے ہیں۔ خادم نے کہا، لا حول و لا، اہی حضرت! آپ مجھے کیا سکھاتے ہیں، لوگ ایسی ایسی تدبیریں تو مجھ سے سیکھ کر جاتے ہیں۔ صوفی نے کہا کہ پہلے اس کا پالان اُتارنا اور پھر اس کی پیٹ کے نرم پرنسپل کا مرہم لگا دینا۔ خادم نے کہا لا حول و لا آپ اپنی حکمت تہ کر کے رکھیے، میں ایسے سب کام جانتا ہوں۔ سارے مہمان ہماری خانقاہ سے راضی خوشی جاتے ہیں کیونکہ مہانوں کو ہم اپنی جان اور عزیزوں کے برابر سمجھتے ہیں صوفی نے کہا کہ اس کو پانی پلانا مگر ذرا کٹکٹا کر کے دینا۔ خادم نے کہا، لا حول و لا، حضرت آپ کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے جتانے سے تو میں شرانے لگا۔ پھر صوفی نے کہا کہ بھائی بڑے ذرا سی گھاس بھی ملا دینا۔ خادم نے کہا کہ لا حول و لا، آپ چب چو جائیے سب کچھ ہو جائے گا۔ صوفی نے کہا کہ اس کے تھان کے کنکر پتھر اور کوڑا کرکٹ بھجھا دینا اور اگر وہاں سیل ہو تو خشک گھاس بھجھا دینا۔ خادم نے کہا لا حول و لا، اسی بزرگ لا حول پڑے۔ بھلا ایک قابل کار پرداز سے ایسے اچھے کے بچے کرنے سے کیا فائدہ۔ صوفی نے کہا میاں! ذرا کھرید بھی بھیر دینا اور جاڑوں کی راتیں ہیں ذرا نچر کی پیٹھ پر جمول ڈال دینا۔ خادم نے کہا لا حول و لا، اسی پر بزرگوار! آپ اس قدر اہتمام نہ فرمائیے، میرا کام دودھ کی ماننا پکیزو

اور شک و مشبہ سے پاک ہوتا ہے، آپ اس میں میٹنگنیوں (یعنی شک و مشبہ) کی تلاش نہ کریں۔ میں اپنے فن میں آپ سے زیادہ مشاق ہو گیا ہوں کیونکہ ہمیشہ نیک و بدہماؤں سے کام پڑتا رہتا ہے۔ ہر مہمان کے لائق خدمت کرتا ہوں۔

خادم نے اتنا کہ کر کمر باندھی اور کہا، لو! میں چلا، سب سے پہلے میں گھاس اور جو کا بند و بست کروں۔ وہ تو چلا گیا۔ ادھر صوفی پر خوابِ خرگوش ایسا طاری ہوا کہ اس کو پھر اہطلیل یاد ہی نہ آیا۔ خادم اپنے بد معاش یاروں میں جا کر صوفی کی فرمایوں کی ہنسی اڑانے لگا۔ صوفی راستے کا تھکا ہارا الٹ گیا اور نیم خواب حالت ہی میں خواب دیکھنے لگا۔

ایک خواب اس نے یہ دیکھا کہ اس کے نچر کو ایک بھیڑیا دبوچ کر اس کی پیٹھ اور ران سے گوشت کے ٹوٹے نچر کر کھا رہا ہے (آنکھ کھل گئی اپنے جی سے کہا) لاجول ولا، یہ کیا مایخو لیا ہے بھلا وہ مہربان خادم کہاں گیا ہوگا (وہ تو اس کے پاس ہی ہوگا) پھر خواب دیکھا کہ وہ نچر راستہ چلتے میں کبھی کنویں میں گر پڑتا ہے اور کبھی گرمے میں۔ اسی طرح کے خوف واقعات خواب میں دیکھ کر بار بار چونک پڑتا اور کبھی سورۃ فاتحہ اور کبھی سورۃ القارعہ پڑھ لیتا تھا۔ آخر بے تاب ہو کر کہا کہ اب کیا چارہ ہے سب اہل خانقاہ سوتے ہیں اور اور خادم دروازے بند کر کے چلے گئے۔ صوفی تو ان دوسو سوں میں گرفتار تھا اور نچر پر وہ مصیبت پڑی کہ خدا ایسی مصیبت دشمنوں ہی پر ڈالے۔ اس نچر بے چارے کا پالان وہاں کی خاک اور پتھروں میں گتے کھا کر ٹیڑھا ہو گیا اور باگ ڈور ٹوٹ گئی۔ دن بھر کا تھکا ہارا، رات بھر کا بھوکا پیاسا کبھی نزع کے عالم میں کبھی موت کے عالم میں بسر کرتا رہا۔ زبان حال سے کہتا تھا کہ ای بزرگانِ دین! رحم کرو، میں ایسے کچے اور بے شعور صوفی سے بیزار ہو گیا۔ الغرض اس نچر نے رات بھر جو تکلیف و اذیت جمیلی ایسی تھی جیسی کہ خاکی پر بندے پر پانی میں پٹتی ہے۔ پس وہ ایک ہی کر دٹ صبح تک بھوک سے بے ہوش پڑا رہا۔ گھاس اور جو کے فراق میں ہنسناتے ہنسناتے سویرا ہو گیا۔ جب صبح پھیل گیا

تو خادم آیا اور جھٹ پٹ پالان کو سرکا کر اس کی پیٹھ پر رکھا اور سنگ دل گدھے نیچے دالوں کی طرح دو تین زخم لگائے۔ خچر کیل کے چھینے سے طرارے بھرنے لگا۔ غریب کے زبان کہاں جو اپنا حال بیان کرتا۔ لیکن جب صوفی سوار ہو کر آگے روانہ ہوا تو خچر سے کمزوری کے گرنے لگا۔ جہاں کہیں گرتا تھا، لوگ اسے اٹھا دیتے تھے اور جانتے تھے کہ خچر بیمار ہے۔ کوئی خچر کے کان مروڑتا اور منہ کھول کر دیکھتا، کوئی دیکھتا کہ کہیں سم اور نعل کے بیچ میں کنکر تو نہیں آگیا اور اس کی آنکھیں چیر کر ڈھیلے کا رنگ دیکھتا اور سب یہ کہتے کہ ای شیخ! خچر تمہارا بار بار گرا پڑتا ہے اس کا کیا سبب ہے، شیخ جواب دیتا کہ خدا کا شکر ہے خچر تو تو ہی ہے مگر وہ خچر جس نے راستہ بھرا لال کھائی سوائے اس طریقے کے راستہ حل نہیں کر سکتا اور یہ حرکت واجب معلوم ہوتی ہے جب کہ خچر کی غذا لال حل تھی تو راستہ بھرا اس نے تسبیح کی اب دن بھر سجدے کرے گا۔

جب کسی کو تمہاری حاجات سے دل سوزی نہیں ہے تو اپنا کام آپ ہی کرنا چاہیے اکثر لوگ مردم خوار ہیں ان کی سلام علیک سے فلاح کی امید نہ رکھ۔ جو شخص شیطان کے انہوں سے لال حل کھاتا ہے وہ خچر کی طرح عین معرکہ جنگ میں سرسکے بل گرتا ہے۔ شیر کی طرح اپنا شکار آپ کرادے کسی اپنے بیگانے کے دھوکے میں نہ آ۔ نااہلوں کی خدمت گزاری ایسی ہی ہوتی ہے جیسی اس خادم نے کی۔ ایسے نااہلوں کے فریب میں آنے سے بے فوکر رہنا بہتر ہے۔



شیخ احمد خضر دیہ کا قرض خواہوں کے لیے صلوات خریدنا

ایک شیخ ہمیشہ قرض دار رہتا تھا اور اس بارے میں اس کی دلیری مشہور ہو گئی تھی۔ بیٹے بڑوں سے ہزاروں روپیہ قرض لیتا اور بلا استثنا فقیروں پر خرچ کرتا تھا۔ اسی قرض سے

اس نے ایک خانقاہ بنوائی اور اپنی جان و مال اور خانقاہ سب کچھ اڑا ڈالا۔ اس شیخ کا نام احمد خضر دیرؒ اور کام اہل عشق کی خدمت گزارى تھا۔ خدا اس کو ہر جگہ سے قرض دلوادیتا تھا گویا خدا نے اپنے پیارے کے لیے ریت کو آٹا بنا دیا تھا۔

قرض دار شیخ نے سالہا سال یوں ہی گزارے، ادھر لیا اور ادھر فقروں کی امداد کے لیے دے دیا۔ جب شیخ کی عمر ختم ہونے کو ہوئی۔ مرضِ موت کے آثار نظر آنے لگے اس وقت قرض خواہ سب آکر گرد جمع ہو گئے اور شیخ شمع کی مانند سب سچ بچل رہا تھا۔ قرض خواہوں کا دل اس قدر کھٹا اور مایوس ہو گیا کہ دردِ دل کے ساتھ دردِ دل بھی ہونے لگا۔ شیخ نے فرمایا کہ ان بدگمانوں کو تو دیکھو! کیا خدا کے پاس چار سو اشرفیاں بھی نہیں!! (اسی اثنا میں) ایک حلوا فروش لڑکے نے آواز لگائی۔ شیخ نے خادم کو حکم دیا کہ جاہ سب حلوا خرید لے اور جی میں سوچا کہ یہ قرض خواہ حلوا کھائیں گے تو تھوڑی دیر کے لیے ترش روی ترک کر دیں گے۔ فوراً خادم دردازے کے باہر نکلا اور پوچھا کہ حلوے کا سارا تھاں کس قیمت میں دو گے، لڑکے نے کہا کہ نصف دینار اور چند درہم ہیں۔ خادم نے کہا کہ نہیں نہیں صوفیوں سے زیادہ نہ لو۔ بس نصف دینار میں سب حلوا دے دو۔ اس نے پوری تھاں شیخ کے آگے رکھ دی، اب شیخ دُور میں کی کرامات دیکھو۔ قرض خواہوں کو اشارہ کیا کہ یہ فقروں کا تبرک ہے اس کو اطمینان سے کھاؤ۔ حسبِ حکم سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے اور خوشی خوشی ساری تھاں پونجھ کر کھا گئے۔ جب تھاں صاف ہوئی تو لڑکے نے اٹھالی اور شیخ سے قیمت طلب کی۔ شیخ نے کہا میاں بچے قیمت کہاں سے لاؤں، میں بے حد قرض دار ہوں اور اب عالم نزع میں ہوں۔ لڑکے نے تھاں مارے ٹھٹھے کے پٹک دی اور رونا دھونا شروع

لہ ریت کی تشبیہ قرض سے ہے جو کھانے کے قابل نہیں مگر خدا نے اپنے پیارے کی خاطر اس کو بھی خوش گوار

کر دیا تھا۔ مترجم

کر دیا۔ روتا تھا اور لمبے لمبے راگ نکال کر بین کرتا اور کہتا تھا کہ کاش میرے دونوں پاؤں ٹوٹ جاتے۔ کاش میں کسی کو ڈھی بھجاتا اور اس خانقاہ کے دروازے پر پھیری نہ کرتا۔ جیج پکار سن کر وہاں بہت سے شریف و رزویل لڑکے کے گرد جمع ہو گئے۔ آخر کار وہ لڑکا پھر شیخ کے پاس آیا اور کہا کہ ارے ظالم بڑھے! مجھے تو استاد مار ہی ڈالے گا۔ کیا تجھے منظور ہے کہ میں اس کے آگے خالی ہاتھ جاؤں اور وہ مجھے مار ڈالے۔ ترض خواہوں نے بھی بہت لعنت و ملامت کی اور شیخ سے کہا کہ تم نے یہ کیا چلتر کیا۔ ہمارا مال ہضم کر گئے وہ ظلم کی پوٹلی تو ساتھ لیے جا رہے ہو اس کے اوپر طرہ یہ ظلم بھی سر پر اٹھایا۔ نمازِ ظہر کے وقت تک حلوے والا چھو کر روتا رہا اور شیخ نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا۔

شیخ کا دل بھگڑے قساوسے پاک تھا۔ بدلی کے ہاند کی طرح کھانے میں منہ پیٹے پڑے رہے۔ اس لڑکے کے لیے تماشائیوں نے پیسہ پیسہ کر کے حلوے کی قیمت جمع کی تو شیخ کی ہمت نے اسے بھی ناپسند کیا اور اس چندے کو روک دیا اور مانعت کر دی کہ لڑکے کو کوئی کچھ نہ دے۔ صاحبانِ دل کے پاس اس سے بہت زیادہ ہی۔ جب نمازِ ظہر پڑھا چکے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک خادمِ خوان سر پر رکھے جلا آتا ہی۔ ایک دولت مند صاحبِ دل نے جو شیخ کا معتقد تھا یہ سوغات بھیجی تھی۔ اس میں چار سو دینار تو ایک طنز رکھے ہوئے تھے اور نصف دینار۔ ایک پڑیا میں لپٹا ہوا دوسری طرف تھا۔ خادم نے آکر شیخ کو سلام کیا اور وہ خوان سامنے رکھ دیا۔ جب شیخ نے خوان پوش اٹھایا تو لوگوں نے شیخ کی کرامت دیکھی۔ سب دیکھنے والوں کی ایک دم جیج بھل گئی کہ اسی بزرگوں کے بزرگ! یہ کیا جبر ہی، اسی اہلِ باطن کے بادشاہ، ہم آپ کو ایسا نہ جانتے تھے، بڑا خدا ہم کو معاف کیجیے ہم بہت سیہودہ اور بے جا باتیں کہ چکے ہیں۔ ہم نے جو اندھے پن کے ساتھ لکڑیاں چلائیں تو ضرور قندیلوں کو توڑ دیا ہو گا۔ ہم بہروں نے اپنے مخاطب کی

ایک بات بھی نہیں سنی لیکن بد تیزی سے تپاسی جواب دیتے رہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری سب بد زبانوں کو محاف کیا۔ میں نے جو اس قدر تمہیں روکے رکھا اس کا راز یہی تھا کہ میں نے خدا سے ہدایت کی دعا کی اور اس نے میرے واسطے یہ راستہ پیدا کیا۔ اس لڑکے کا ایک دینار اگرچہ مالیت میں کم ہے لیکن اُسی پر اس لڑکے کی بے قراری موقوف تھی اور جب تک طفلِ حلوا فردوس نہ روئے سخاوت کا دریا جوش میں نہیں آتا۔

او بھائی! وہ لڑکا تیری چشم گریاں ہر اپنی مقصد براری اپنے ہی رونے پر موقوف ہے تیرا مطلب دل کے رونے سے وابستہ ہے اور جب تک نہ رونے جب تک کام با بی مشکل ہے۔



ایک گنوار کا اندھیرے میں شیر کو کھبانا

ایک گنوار نے گائے طویلے میں باندھی، شیر آیا اور گائے کو کھاپی وہیں بیٹھ گیا۔ وہ گنوار رات کے اندھیرے میں اپنی گائے کو ٹٹولتا ہوا طویلے پہنچا اور اپنے خیال میں گائے کو بیٹھا پا کر شیر کے ہاتھ پیر پر کبھی پیٹھ اور پہلو پر اور کبھی نیچے کبھی اوپر ہاتھ پھیرنے لگا۔ شیر نے اپنے جی میں کہا کہ اگر ذرا بھی اُجالا ہوتا تو اس کا پتا پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا۔ یہ اس قدر گنا خانہ جو مجھے کھانا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے گائے سمجھ رہی ہے۔

حق یہی کہنا ہے کہ اگر فریب خوردہ اندھے تو نہیں جانتا کہ میرے نام سے طوڑ چکنا چور ہو گیا تھا۔ تو نے تقلیدی طور پر اپنے ماں باپ سے خدا کا نام سنا ہے تھین کے ساتھ اس سے واقف ہو جائے تو طوڑ کی طرح تو بھی بے نشان و بے جا



ایک مسافر صوفی کے گدھے کو صوفیوں کا بیج کھانا

عبرت کے طور پر یہ قصہ سنو تاکہ تم تقلید کی آفت سے خبردار ہو جاؤ۔ ایک صوفی بحالتِ سفر کسی خانقاہ میں پہنچا اور اپنے گدھے کو صطبل میں باندھ کر ڈول میں پانی بھر کر پلایا اور گھانس اپنے ہاتھ سے ڈالی۔ یہ صوفی ویسا غافل صوفی نہ تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس نے اپنی طرف سے گدھے کی دیکھ بھال میں کچھ کمی نہیں کی لیکن جب امرشدنی ہو تو احتیاط سے کیا ہوتا ہے۔ اس خانقاہ کے صوفی سب مفلس تلاش تھے اور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے بعض دفعہ محتاجی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی تو نگر تو پیٹ بھرا ہے، کسی درد مند فقیر کی کج روی کا مذاق نہ اڑا۔

غرض وہ گروہ صوفیا گدھے کو بیج ڈالنے کے درپے پورا اور تاویل اپنے گناہ کی یہ کی کہ ضرورت پر سردار بھی حلال ہو جاتا ہے بھر سب نے مل کر وہ گدھ بیج دیا اور مزے مزے کے کھانے لائے اور خوب روشنی کی۔ ساری خانقاہ میں دھوم مچ گئی کہ آج رات کو کھانا بھی ہے اور سماع بھی۔ آخر یہ تکلیف اور تین دن کا روزہ کب تک اور کب تک جھولیا لے کر بھیک مانگتے پھریں۔ آخر ہم بھی تو خدا کے بندے ہیں، ہم بھی جان رکھتے ہیں، اس لیے جو ہو سو ہو آج تو ہم بھی دولت کی مہمان داری کریں گے۔ وہ مسافر صوفی اصل حال سے بے خبر یہ راگ رنگ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں خانقاہ والے سب اس کی طرف ٹھک پڑے کوئی ہاتھ پاؤں دباتا اور کوئی پوچھتا کہ حضرت کہاں تشریف رکھیں گے۔ کوئی بستر کی گرد جھٹکتا اور کوئی ہاتھ اور منہ کا بوسہ لیتا۔

مسافر صوفی نے اپنے جی میں کہا جب کہ ان صوفیوں کا میلان میری طرف اس درجہ ہے تو میں بھی کیوں نہ عیش میں شکرکرت کروں۔ القصہ جب سب نے عمدہ عمدہ کھانے کھالے تو سماع شروع ہوا، ساری خانقاہ فرش سے لے کر چھت تک گرد اور دھتوں سے اندھیرا

ہو گئی۔ دھنواں تو بادِ برچی خانے کا تھا اور گردِ حالتِ وجد میں پاؤں زمین پر مارنے سے پیدا ہو گئی تھی کبھی تالیاں بجاتے اور دھب دھب ٹھوکریں لگاتے اور کبھی مائے سجدوں کے صدالان کی جھاڑ دیتے۔ جب سماعِ انتہا کو پہنچا تو قال نے ایک آستائی بلند سروں میں چھیڑ دی اور ”گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا“ کی ٹیپ ایسی الاپتی شروع کی کہ اہل سماع میں حرارت کی رُفُو و ٹرگنی اور وہ صوفی مسافر بھی اسی جوش و خروش میں صبح تک پاؤں پٹینا اور سب گانے والوں کے ساتھ ”گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا“ گاتا رہا۔ جب سماعِ اختتام کو پہنچا اور جوش و سرستی کم ہوئی تو دیکھا کہ صبح ہو گئی۔ الوداع کہہ کر رخصت ہوئے۔ ساری خانقاہ خالی ہو گئی صرف مسافر صوفی تنہا رہ گیا تو اس نے اپنے بستر کو جھٹک جھٹکا کر باندھا اور حجرے سے باہر نکالا تاکہ جھٹ پٹ گدھے پر لا کر ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہو جائے۔ مگر اصطلب میں دیکھا تو گدھا ندارد۔ اپنے جی میں کہا کہ غالباً خانقاہ کا خادم پانی پلانے لے گیا ہو گا کیونکہ کل اس نے پانی بہت کم پیا تھا۔ جب خادم آیا تو صوفی نے پوچھا کہ گدھا کہاں ہے۔ خادم نے کہا، ہائیں ذرا آپ کی ڈاڑھی تو دیکھو، بس پھر کیا تھا، لڑائی شروع ہو گئی۔ صوفی نے کہا کہ میں نے تو گدھا تیرے سپرد کیا تھا اور تجھے ہی کو گدھے پر بٹھرانے کیا تھا۔ میں تجھی سے لین دار ہوں اور تجھے ہی کو دینا پڑے گا۔ ورنہ اگر تو زیادہ محبت کرتا ہی تو چل قاضی کے پاس تصفیہ ہو جائے گا۔ اب خادم دبا اور گزر کر کہنے لگا کہ میں بالکل بھجور تھا۔ سب صوفیوں نے مشورہ کر کے ایک دم حملہ کیا اور مجھے ادھ موکر دیا۔ بھلا ذرا غور تو کر کہ تو کلبچی بتیوں کے بیچ میں ڈال دے اور پھر اس کے محفوظ رہنے کی امید کرے۔ صوفی نے کہا مانا تجھ سے انھوں نے زبردستی گدھا چھین لیا اور مجھے مسکین کی جان پر مصیبت نازل کی لیکن کیا تجھ سے یہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ میرے پاس فریاد کرتا اور کہتا کہ ایسے نواز تیرے گدھے کو لے جا رہے ہیں۔ جب تک وہ لوگ یہاں موجود تھے اس وقت تک تو سوطح کے جتن ممکن تھے لیکن اب تو وہ سب چل دیے۔ اب میں

کے پکڑوں کے قاضی کے پاس لے جاؤں؟ خادم نے کہا کہ واللہ میں کئی بار آیا تاکہ مجھے ان کی کارستانیوں سے واقف کروں مگر تو تو خود ہی بڑے ذوق و شوق میں سب کے ساتھ ”گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا“ کہ رہا تھا۔ جب خود تیری زبان سے میں نے سنا تو اس تماس پر کہ تو قانع درویش ہو اور گدھے کے جانے پر راضی ہو میں داہس چلا گیا۔ صوفی نے کہا کہ اس مجھے کو سب خوش آوازی سے ادا کر رہے تھے تو مجھے بھی اس کے بولنے میں مزا آنے لگا۔ ہاے مجھے ان کی تقلید نے برباد کر دیا ایسی تقلید پر سو بار لعنت۔ خاص کر ان بے حاصلوں کی تقلید جنہوں نے روٹی کے لیے اپنی عزت گنتوائی +



مغس اوکھا و قیدی کی منادی

ایک مغس بے گھر شخص قید میں ڈالا گیا تھا۔ وہ ایسا بڑ پیتا تھا کہ سارے قیدیوں کا کھانا کھا جاتا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ پیٹ بھر کر روٹی کھاسکے کیونکہ ہاتھ چالاک بہت جلد اڑا لیتا تھا۔ قاضی کا وکیل جو پوچھ گچھ کے لیے آیا تو اہل زندان نے شکایت کی کہ ہمارا اسلام و ماضی کو پہنچا کر اس کیسے آدمی کی ایذا رسانی کا حال کہنا اس نے ہاتھ چالاک کی، پرخواری اور ایذا رسانی میں بڑا نام نکالا ہے۔ کوئی قیدی ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکتا جاہے کھانے کے لیے سو جیلے کرے فوراً ہی وہ بڑ پیتا آن موجود ہوتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہوتی ہے کہ خدا نے ”کھاؤ“ یعنی ”کھاؤ“ کا حکم دیا ہے۔ کم بخت ہر کھانے پر کھمبے کی طرح بھینٹنا ہوا بن بلائے آپہنچتا ہے۔ اس کے آگے ساٹھ آدمیوں کا کھانا بھی کوئی چیز نہیں اگر اس سے بس کو تو بہرا بن جاتا ہے۔ خدا کرے کہ مولانا کا سایہ تا ابد قائم رہے۔ یا تو زندان سے اس بھینٹے کو نکالے یا مرد و قنف سے اس کی خوراک مقرر کیجیے۔ سرکار آپ کے انصاف سے سب مرد و زن خوش ہیں ہماری داد کو بھی پہنچے۔ بامرقت وکیل نے قاضی کے پاس حاضر ہو کر سب شکایتیں الگ الگ بیان

کردیں۔ قاضی نے اس کو قید خانے سے اپنی بیٹی میں بلوایا اور اپنے ماتحت عمدہ داروں کے ذریعے سے بھی تحقیقات کی۔ قیدیوں کی شکایت صمیم ثابت ہوئی۔ قاضی نے اس مفلس قیدی سے کہا کہ اس قید خانے سے دفع ہو اور اپنے ہی گھر میں جا کر مرو۔ اس نے کہا میرا گھر بار تو آپ ہی کا احسان ہے اور کافر کی طرح میری جنت تو آپ ہی کا قید خانہ ہے۔ اگر تو مجھے مردود قرار دے کر قید خانے سے بھی نکالنا ہے تو میں بھوک پیاس اور افلاس سے مر ہی جاؤں گا قاضی نے حکم دیا کہ شہر میں اس کو گشت کراؤ اور عام اعلان کرو کہ یہ بالکل مفلس بے غیرت ہے کوئی شخص بھولے سے بھی اس کو قرض نہ دے۔ اگر آئندہ کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرے گا تو بعد ثبوت بھی میں اسے قید میں نہ ڈالوں گا۔ اس کا افلاس ثابت ہو چکا ہے اور کسی قسم کا نقد جس اس کے پاس نہیں ہے۔ تب قاضی کے پیادے ایک لکڑی مارے کڑو کا اونٹ پکڑ لائے۔ اس کڑو بے چارے نے بہتیری واد بلا مچائی اور سپاہی کی مٹھی میں ایک اکٹی سے گرم کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اونٹ کی پیٹھ پر وہ بڑ پینا بیٹھا ہوا تھا اور اونٹ کا مالک پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اس طرح محلے محلے اور کوچہ کوچہ پھرتے رہے یہاں تک کہ سب اہل شہر کو علم و شناخت ہو گئی۔ ہر حام اور ہر بازار کے لوگوں نے اس کی شکل گنو پہچان لیا۔ ان منادی کرنے والوں میں ترک، کُرد، رومی اور تازی تھے۔ سب بلند آواز سے کہتے جاتے تھے کہ یہ شخص بے سرو سامان، بد اطوار، روٹیوں کا چوراہ اور سخت جے جیا ہے۔ یہ بالکل مفلس ہے اس کے پاس کچھ نہیں، کوئی اس کو ایک چھدم بھی قرض نہ دے۔ اس کا ظاہر و باطن بالکل خالی ہے، یہ بالکل مفلس، کھوٹا، دغا باز، اور ڈھول ہی ڈھول ہے۔ اس طرح دن بھر تشہیر کے بعد جب رات کو وہ اونٹ سے نیچے اُترا تو کُرد نے کہا کہ میرا مقام یہاں سے بہت دُور ہے پہنچنے میں بہت دیر

لگے گی۔ تو صبح سے میرے اونٹ پر بیٹھا رہا اور گھاس کھونے کی محنت سے زیادہ ٹھکن مجھ پر سوار ہو۔ مفلح نے جواب دیا کہ تو کچھ سمجھا بھی کہ ہم کیوں پھرائے گئے اور آج تمام دن کیا ہوا، تیرے ہوش کدھر ہیں، کیا دماغ میں شکر لطیف نہیں؟ تو صبحاً سُن چکا کہ فلک ہفتم تک میرے افلاس کی تشہیر کی گئی مگر معلوم ہوتا ہے کہ مارے حرص کے تو کچھ سُن نہ سکا کیونکہ طبع آدمی کے کانوں کو بہا کر دیتی ہے۔ ڈھیلیوں اور پتھروں تک نے سُن لیا کہ یہ مرد بے حمیت مفلح ہے۔ صبح سے رات تک لوگ تشہیر کرتے رہے لیکن اونٹ کا مالک چونکہ جرس میں مبتلا تھا وہ بھر بھی یہ سمجھا رہا کہ اس مفلوک الحال سے شاید کچھ کرایہ مل جائے گا۔

— (۱۰۰) —

ایک شخص کا برہنہ بدنامی ماں کو مار ڈالنا

ایک شخص نے غیرت میں آکر اپنی ماں کو گھونٹوں اور خجروں سے مار ڈالا۔ کسی نے کہا ارے کم بخت تو نے اپنی ماں کو مار ڈالا اور حق مادری کو بھول گیا۔ ہائے ہائے، ارے بد نصیب! بھلا کسی نے بھی ماں کو مارا ہے۔ کیوں نہیں کہتا۔ آخر کیا واقعہ تھا اور اس نے کیا کیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس نے وہ کیا کہ اس میں اس کی ذلت تھی میں نے اس کو اس لیے مار ڈالا کہ خاک اس کی عیب پوشی کرے گی۔ وہ ایک شخص سے متہم ہو گئی تھی اس لیے میں نے مار ڈالا اور خون میں لتھڑی ہوئی کو قبر کی خاک میں چھپا دیا۔ معترف نے کہا، ایسا غیرت مند تھا تو اس بدکار مرد کو کیوں قتل نہیں کیا؟ جواب دیا کہ پھر تو ہر روز ایک مرد کو قتل کرنا پڑے گا بس اس کو کیا مارا میں روز روز کے خون سے بچ گیا۔ اس کا گلا کاٹنا مخلوق کے گلے کاٹنے سے بہتر ہے۔

ایہ عزیز تیرا نفس وہ مادرِ بد خاصیت ہے کہ اس کا فساد ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ پس اس کو قتل کر کہ اسی ذلیل کتے کے لیے تو ہر آن کسی نہ کسی سے لڑائی جھگڑے کا قصد کرتا

ہو۔ اسی کی وجہ سے سرسبز دنیا تجھ پر تنگ ہو اور خدا و خلق سے تیری ناموافقت ہو۔ اگر تو اپنے نفس کو مار ڈالے تو گناہوں اور بُرائیوں سے بچ جائے گا اور ملکِ خدا میں پھر تیرا کوئی دشمن باقی نہ رہے گا +



ایک بادشاہ کا دو توخرید غلاموں کا امتحان لینا

ایک بادشاہ نے دو غلام ستے خریدے ایک سے بات چیت کر کے اس کو عقل مند اور شیریں زبان پایا اور جو لب ہی شکر ہوں تو سواے شربت کے ان سے کیا نکلے گا۔ آدمی کی آدمیت اپنی زبان میں معنی ہے اور یہی زبان دربار جان کا سرا پرده ہے۔ جب اس غلام کی فراست کا امتحان لے چکا تو دوسرے کو پاس بلایا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے کالے کالے دانت ہیں اور گندہ دہن ہے اگرچہ بادشاہ اس کے بشرے کو دیکھ کر ناخوش ہوا تھا لیکن اس کی قابلیت و اوصاف کی ٹوٹل کرنے لگا۔ پہلے کو تو اس نے کام میں لگا دیا کہ جا اور نہادھو کے آ۔ اور اس دوسرے سے کہا کہ تو اپنی زیر کی بتا۔ تو ایک نہیں سو غلاموں کے مساوی ہے۔ تو ویسا نہیں معلوم ہوتا جیسا کہ تیرے ساتھی نے کہا اور ہمارا دل تجھ سے سرد کر دیا۔ اس نے تو تجھے چوٹا، بد معاش، ہیچڑا، نامرد اور جانے کیا کیا کہا۔ غلام نے جواب دیا کہ وہ ہمیشہ سچا پایا گیا ہے اس سے زیادہ سچا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اس کی فطرت میں راست گوئی داخل ہے اس لیے اس نے جو کچھ میرے متعلق کہا ہے اگر ایسا ہی میں اس کے متعلق کہوں تو تہمت ہوگی۔ میں اس بھلے آدمی کی عیب جوئی نہ کروں گا۔ بجائے اس کے بہتر ہے کہ اپنے ہی کو ہتہم رکھوں۔ ای بادشاہ ممکن ہے کہ وہ مجھ میں جو عیب دیکھتا ہے شاید میں خود اپنے میں نہ دیکھتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا تو بھی اس کے عیب جیسے کہ اُس نے تیرے عیب بیان کیے بے کم و کاست بیان کر تاکہ مجھے یقین ہو کہ تو میرا نعم خوار ہے اور میری سلطنت و حکمرانی

کا مددگار رہ سکتا ہے۔ غلام نے کہا کہ ای بادشاہ اس میں مہر و وفا اور مروت و صداقت
ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں جو اس مردی و سخاوت ایسی کہ وقت پر جان بھی دے
ڈالے۔ جو تھا عیب یہ کہ وہ خود میں نہیں بلکہ خود ہی اپنا عیب جو ہے عیب کتنا اور عیب
تلاش کرنا اگرچہ بڑا ہے لیکن وہ سب کے ساتھ نیک اور اپنے ساتھ بڑا ہے۔ بادشاہ نے
کہا کہ اپنے ہمراہی کی مدد میں مبالغہ نہ کر اور دوسرے کی مدد کے ضمن میں اپنی مدد
پیش نہ کر کیونکہ اگر میں آزمائش کے لیے اس کو تیرے مقابل کر دوں تو تجھ کو شرمساری
حاصل ہوگی۔

غلام نے کہا، نہیں! واللہ میرے ساتھی اور دوست کے اوصاف میرے
کے سے سگت زیادہ ہیں۔ جو کچھ میں اپنے دوست کے متعلق جانتا ہوں جب تجھے
باور نہیں آتا تو میں کیا عرض کروں۔

اس طرح بہت سی باتیں کر کے بادشاہ نے اُس پر صورت غلام کو آزمایا اور جب
وہ پہلا غلام حمام سے آیا تو اس کو پاس بلایا، بد صورت غلام کو وہاں سے رخصت کر دیا اور
خوب صورت کی شکل و سیرت کی تعریف کر کے کہا کہ معلوم نہیں تیرے ساتھی کو کیا ہو گیا تھا
کہ اس نے پیٹھ پیچھے تیری نسبت بہت کچھ باتیں کہیں۔

غلام نے کہا کہ جہاں پناہ! اس بے دین نے میرے حق میں جو کچھ کہا اُس کا ذرا سا
اشارہ تو دیجیے۔ بادشاہ نے کہا کہ سب سے پہلے تیری دوروی کا وصف اس نے کیا کہ
تو ظاہر میں دوا اور باطن میں درد ہے۔ جب اس نے بادشاہ سے یہ سنا تو ایک دم غصہ دریا
کی طرح چڑھ آیا۔ اس کا چہرہ مارے غصے کے تمنانے لگا اور پھر اس نے اپنے ساتھی کی نسبت
جو کچھ منہ میں آیا، کہ ڈالا۔ جب بار بار چوکر تاجی چلا گیا تو شہنشاہ نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ
رکھ دیا کہ بس اب حد ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ لے سن! میں نے تجھ میں اور اس میں پوری پوری
پہچان کر لی، تیری جان بہو ہے اور اس کا دہان بہو ہے پس ای شہزادہ ہی جان والے تو ڈر بیٹھ تاکہ

وہ امیر اور تو اس کا ماتحت رہے۔

اسی لیے دنیا کے بزرگوں نے کہا ہے کہ ”زبان کی حفاظت انسان کی راحت ہے“
حدیث شریف میں آیا ہے کہ ظاہر داری کی تسبیح (جب) کو کوڑی کے اوپر سبزہ جانا یقین
کر دو کہ اچھی اور بھادنی صورت بُری خصلتوں کے ساتھ ہرگز قابلِ قدر نہیں۔ اور چاہے
صورت حقیر اور ناپسندیدہ ہو لیکن جب اخلاق اچھے ہوں تو اس کے قدموں مرحبانا
بہتر ہے۔

لہذا ای شخص! تو کب تک آبِ خورے کے ظاہری نقش و نگار پر فریفتہ رہے گا،
نقش و نگار کو چھوڑ اور پانی کو دیکھ کہ وہ کیسا ہے۔ آخر کہ تو سی تو کب تک صورت پرستی کرے گا
معنی کا طلبگار ہو اور معنی کو ڈھونڈ +



ایک پیاسے کا دیوار کی اینٹ توڑ کر ندی میں پھینکنا

ایک ندی کے کنارے بلند دیوار تھی اس پر ایک پیاسا بیٹھا تھا، اور پیاسا بھی مرض ہستقا
(تو نس) کا بیمار، برے حال بُرے احوال، پانی پر دموں دیوانہ نہایت پریشان اور
جلوسان۔ وہ دیوار پانی تک پہنچنے میں حائل تھی اور وہ مارے پیاس کے بے قرار تھا۔ اس
نے دیوار کی ایک اینٹ اٹھا کر پانی میں جو پھینکی تو پانی کی آواز کان میں آئی وہ آواز بھی
اسے ایسی میٹھی اور سرسبلی لگی جیسے معشوق کی آواز ہوتی ہے۔ اسی ایک آواز نے شراب کی سی
مستی پیدا کر دی۔ اس مصیبت زدہ کو پانی کی آواز میں اس قدر مزہ آیا کہ دیوار سے اینٹیں
لے کر پانی میں پھینکنے لگا۔ پانی تو زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ ارے بھلے مانس! بھلا
مجھے اینٹیں مارنے سے تجھے کیا فائدہ؟ پیاسا بھی زبان حال سے اس کا جواب دے رہا تھا
کہ میرے اس میں دو فائدے ہیں اس لیے میں اس کام سے ہرگز ہٹتا نہ دوں گا۔ پہلا

فائدہ تو پانی کی آواز کا سننا ہے کہ پیاسوں کے لیے رباب کی آواز سے زیادہ ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جتنی اینٹیں ہیں اس کی اکھیڑنا جانا ہوں اتنا ہی صاف شفاف پانی کے قریب ہوتا جاتا ہوں کیونکہ اس اونچی دیوار پر سے جس قدر اینٹیں اکھڑتی جائیں گی اسی قدر دیوار نیچی ہوتی چلی جائے گی۔ لہذا دیوار کی پستی موجب قرب اور اس کے فصل ہی سے وصل کی تدبیر ہوتی ہے۔

سجدہ کیا ہے، اینٹوں کی چٹائی کا اکھیڑنا ہے جو بہ دلیل آئیہ کریمہ واسجد واقتریب موجب قربت ہے۔ جب تک اس دیوار کی گردن بلند ہے سر کو جھکانے نہیں دیتی۔ لہذا تا وقتیکہ تو اس تن خاک کی سے نجات نہ حاصل کرے آب حیات (یعنی زندگی دوام) کے آگے سجدہ نہیں کر سکتا۔

ای فرزند! اس جوانی کو غنیمت جان، سر جھکا اور (اپنی دیوار کے) ڈھیلوں اور اینٹوں کو اکھیڑ قبل اس کے کہ بڑھاپے کے دن آجائیں اور تیری گردن بٹی ہوئی رستی میں بندھ جائے اور بڑی عادتوں کی جڑیں ایسی مضبوط ہو جائیں کہ ان کے اکھیڑنے کی طاقت ہی نہ رہے +

ایک شخص کا سر راہ کانٹوں کی جھاڑی کو اگنے دینا

ایک مُنہ کے پیٹھے دل کے کھوٹے شخص نے بیچ راستے میں کانٹوں کی جھاڑی اگنے دی۔ جو راہ گیر ادھر سے نکلتا وہ لعنت ملامت کرتا اور کہتا کہ اس کو اکھیڑ دے لیکن اُس کو نہ اکھیڑنا تھا نہ اکھیڑا۔ اس جھاڑی کی حالت تھی کہ ہر آن بڑھتی جاتی تھی اور خلقت کے پائو کانٹے چبھ کر خونم خون ہو جاتے تھے جب حاکم وقت تک یہ واقعہ پہنچا اور اس کی ناشائستہ حرکت کا علم ہوا تو تاکید سے حکم دیا کہ جھاڑی کو اکھیڑ دے

اس پر بھی وہ مستی سے باز نہ آیا اور جواب دے دیا کہ بہت اچھا کسی فرصت کے دن اُنکھیر ڈالوں گا۔ اس طرح ہر روز کل پر مالتا رہا یہاں تک کہ اس کی جھاڑی نے خوب مضبوط جڑ پکڑ لی۔ ایک دن اس سے حاکم نے کہا کہ ای وعدہ خلاف ! ہمارے حکم کی تعمیل کر، بس اب ایڑیاں مست رگڑ۔ تو جو روز کل کہتا ہے تو یہ جان لے کہ جس قدر زیادہ مدت گزرے گی اسی قدر بڑائی کا درخت زیادہ تر دنازہ ہوگا اور اُنکھیرنے والا بوڑھا اور کم زور ہوتا جائے گا۔ درخت مضبوط اور تو بوڑھا ہوا جاتا ہے لہذا جلدی کر اور موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔

ای عریز تیری ہر بڑی عادت کانٹوں کی جھاڑی ہے بار بار ہا تو اپنے فعل پر شرمندہ ہو کر تو بہ تلا کر چکا ہے۔ بار بار اپنی عادتوں سے تنگ آچکا ہے بھر بھی تیری آنکھیں نہیں کھلتیں دوسروں کی تکلیف جو تیرے ہی بڑے اوصاف کی وجہ سے ہے اگر اس کی پروا نہیں تو خیر جانے دے کیا تجھے اپنا زخم بھی محسوس نہیں ہوتا؟



ذوالنون مصری کا اپنے کو دیوانہ بنا نا اور دوستوں کی بیماری پر سی کو آنا

ذوالنون مصری پر واقعہ یہ گزرا کہ وہ جذبے میں آکر مجنون ہو گئے۔ عوام اس جذبے کی تاب نہ لائے اور ان کو تیز خانے میں جکڑ بند کر دیا۔ چونکہ حکومت غنڈوں کے ہاتھ میں تھی اس لیے لا محالہ ذوالنون کو قید خانہ بھگتنا پڑا۔ قاعدہ ہی یہ ہے کہ جب اقتدار کا قلم غدار کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو منصور جیسا ولی سولی پر چڑھتا ہے۔ نادانوں کے ہاتھ بادشاہت و قضاوت آتی ہے تو وہ بیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

غرض ذوالنون پا تو میں بیڑیاں، ہاتھ میں ہتکڑیاں پہنے قید خانے پہنچے۔ معتقد احباب چاروں طرف سے قید خانے میں مزاج پر سی کے لیے ان کے پاس جمع ہوئے اور ان کے

جنون کے واقعات اور قید خانے کے برتاؤ پر یہ رائے زنی کرنے لگے کہ غالباً یہ قصداً دیوانے بنے ہیں یا ممکن ہو کہ اس میں بھی کوئی حکمت ہو کیونکہ وہ طریق عشق میں سب عاشقوں کے قبلہ اور خدا کی نشانی ہیں۔ مگر ایسی عقل سے خدا کی پناہ جو ان کے عشق و عرفان کو دیوانگی سمجھتی ہو۔ اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے حضرت کے قریب پہنچے تو آپ نے وہیں سے آواز دی کہ کون لوگ ہو، خبردار آگے نہ بڑھنا۔ ان لوگوں نے ادب سے عرض کیا کہ ہم سب آپ کے معتقد ہیں اور آپ کی مزاج پڑسی کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اسی صاحب کمال عقل کے دریا! آپ کا کیا حال ہے اور آپ کی عقل پر یہ جنون کا بہتان کیسے لگ گیا۔ ہم سے پوشیدہ نہ رکھیے اور اس واقعہ کو کھول کر بیان فرمائیے، ہم سب آپ کے ہی خواہ ہیں۔ اپنے راز کو دوستوں سے پوشیدہ نہ رکھیے بلکہ صاف صاف بیان کیجیے اور اپنی جان کا قصہ نہ کیجیے۔ جب ذوالنون نے یہ باتیں سنیں تو سوائے آزمانے کے چھٹکارا نہ دیکھا۔ فحش اور کچی کچی گالیاں دینی شروع کیں اور دیوانوں کی طرح لام کان بکنے لگے۔ فوراً لپک کر پتھر، لکڑی جو ہاتھ لگی پھیک پھیک کر مارنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر سب لوگ چوٹ کے ڈر سے بھاگ نکلے۔ ذوالنون نے ایک قمقمہ لگا کر سر ملایا اور ایک درویش سے کہا ذرا دیکھنا ان معتقدوں کو۔ یہ دوست کہاں کے، دوستوں کو تو اپنے دوست کی تکلیف جان کے برابر عزیز ہوتی ہے اور دوست سے جو تکلیف پہنچے وہ گراں نہیں ہوتی بلکہ تکلیف مغز اور دوستی اس کا پوست ہے۔

آزائش و مصیبت اور آزار پر خوش ہونا دوستی کی علامت ہے۔ دوست کی مثال سونے کی سی ہے اور آزار ماش آگ کی مثل ہے۔ خالص سونا آگ ہی میں خوش رنگ اور بے کھوٹ رہتا ہے۔

خواجہ لقمان کی آزمائش

حضرت لقمان اگرچہ غلام اور غلام زادے تھے لیکن باخدا اور حرص و ہوا سے پاک تھے۔ اُن کا آقا بھی ظاہر ہیں تو مالک تھا لیکن دراصل ان کے مرتبے سے واقف اور دل سے ان کا غلام ہو گیا تھا۔ وہ ان کو بھی کا آزاد کر دیتا لیکن لقمان اپنا بھید چھپائے رکھنا چاہتے تھے اور آقا اُن کے خلات مرضی کوئی کام کرنا نہ چاہتا تھا۔ اُسے تو حضرت لقمان سے یہاں تک محبت و عقیدت ہو گئی تھی کہ جو کھانا ملازمین اس کے واسطے حاضر کرتے تو وہ ساتھ ہی لقمان کے پاس آدمی روانہ کرتا تاکہ پہلے وہ کھالیں اور اُن کا اُلش وہ کھائے۔ وہ لقمان کا جھوٹا کھانا اور خوش ہوتا تھا اور جو کھانا وہ نہ کھاتے اُسے پھینک دیتا تھا، اور اگر کھاتا بھی تو بالکل بے دل اور بے ہجوک کھاتا۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ ایک دفعہ کا اتفاق یہ کہ خر بوزہ تحفے میں آیا اور لقمان اس وقت حاضر نہ تھے، مالک نے ایک غلام سے کہا جلدی جاؤ اور میرے فرزند حضرت لقمان کو تو بلا لاؤ۔ جب لقمان آئے اور سامنے بیٹھے تو مالک نے چھری لی اور خر بوزہ کا ٹانا اور ایک قاش لقمان کو دی۔ اُنھوں نے ایسے شوق و رغبت سے کھائی کہ مالک نے دوسری قاش دی یہاں تک کہ سترھویں قاش تک وہ اسی طرح ذوق شوق سے کھاتے رہے۔ جب صرف ایک قاش باقی رہی تو مالک نے کہا کہ اس کو میں کھاؤں گا تاکہ معلوم ہو کہ یہ کتنا میٹھا خر بوزہ ہے۔ اس نے تو ایسا مزے لے کر کھایا ہے کہ دوسروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کھانے کو بھی چاہا۔ جب مالک نے کھایا تو خر بوزے کی کڑواہٹ نے حلق میں مرچیں سی لگا دیں اور زبان میں آبلے پڑ گئے۔ گھنٹہ بھر تک اس کی کڑواہٹ سے بد مزہ رہا۔ پھر حیرت سے پوچھا کہ ای عزیز! تو نے اس زہر کو کیوں کر نوش کیا اور اس قہر کو مہر کیوں سمجھ لیا۔ یہ بھی کوئی صبر ہے اور یہ صبوری کس سبب سے ہے۔ شاید تو

اپنی جان کا دشمن ہی۔ تو نے کھانے سے بچنے کا حیلہ کیوں نہیں کیا۔ یہ ہی کہہ دیا ہوتا مجھے اس کے کھانے میں عذر ہی، ذرا توقف کیجیے۔ حضرت لقمان نے کہا کہ میں نے تمہارے نعمت بخشنے والے ہاتھ سے اس قدر کھایا ہی کہ مارے شرم کے ڈہرا ہوا جاتا ہوں۔ اس لیے اسی صاحبِ معرفت مجھے شرم آئی کہ ایک تلخ چیز تمہارے ہاتھ سے نہ کھاؤں۔ میرے تمام اعضا و جوارح تمہاری ہی عطا سے پلے ہیں اور تمہارے ہی دانہ و دوام میں اسیر ہیں۔ اگر میں صرف ایک کرڈے پن پر واہ ملا مچانے لگوں تو خدا کرے سوراستوں کی خاک میرے اعضا و جوارح پر پڑے۔ تمہارے شکر بخشنے والے ہاتھ نے اس خرپوزے میں کرڈا ہسٹ کہاں چھوڑی تھی کہ میں اس کی شکایت کرتا ہوں۔



چرواہے کی مناجات پر موشیٰ کا انکار

ایک دن حضرت موشیٰ نے رستہ چلتے ایک چرواہے کو سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اے پیارے خدا! تو کہاں ہی، آئیں تیری خدمت کروں، تیرے موزے سیوں اور سر میں کنگھی کروں، تو کہاں ہی کہ میں تیری مثل خدمت بجالاؤں، تیرے کپڑے سیوں، پوند پارہ کروں، تیرا جڑا دل دھوؤں، جوئیس چُنوں اور اے پیارے تیرے آگے دودھ رکھوں۔ اگر تو بیمار ہو تو میں رشتہ داروں سے بڑھ کر تیار داری کروں، تیرے ہاتھ چوموں پیردوں کی مالش کروں اور جب سونے کا وقت آئے تو تیری خواب گہ کو جھاڑ کر صاف کروں اگر تیرا گھر دیکھ لوں تو بلا ناغہ صبح دس گھنٹے اور دودھ تجھے پہنچاؤں اور پنیر، روغن

روٹیاں اور پیئیں کو مزے دار دہی چھانچھ یہ سب چیزیں تیار کر کے صبح و شام لاتا رہوں۔
غرض میرا کام لانا ہو اور تیرا کام کھانا۔ میرے سامنے بکسے تجھ پر فدا ہوں تیری یاد میں
میری بے قراری حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔

وہ چر دا ہا اس طرح بے سرو پا باتیں کر رہا تھا، موسیٰ نے پوچھا کہ ای شخص تو یہ باتیں
کے کہ رہا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ اس سے جس نے ہم کو پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان
بنائے۔ حضرت موسیٰ نے کہا، ارے کم بخت! تو بجائے مسلمان ہونے کے کافر ہو گیا۔
یہ کیا یہودگی، کیا کافرانہ بکواس اور کیا فضول باتیں ہے، اپنے منہ میں رومی ٹھونس، تیرے
کفر کی بدبو سارے جہان میں پھیل گئی۔ تیرے کفر نے دین کے کھواب میں پیوند لگا دیا۔ سودے
اور پاتا بے تجھے سزا دار ہیں، بھلا آفتاب کو ایسی چیزیں کیا ضرور۔ اگر تو ایسی باتوں سے زبان
کو بند نہ کرے گا تو آتش (غیرت) ساری مخلوق کو جلا ڈالے گی۔ اگر تو خدا کو عادل و قادر جانتا
ہو تو یہ یہودہ بکواس تو نے کیوں اختیار کی۔ حق تعالیٰ ایسی خدمت گزاری سے بے پروا
ہے۔ ارے احمق! ایسی باتیں تو کس سے کہ رہا ہے؟ کیا چچا، ماموں سے کہ رہا ہے، بھلا جسم و جان
اس پاک بے ہمتا کی صفات میں کہاں۔ دودھ تو وہ پیسے جس کا جسم اور عمر بڑھے۔
گھٹے اور موزے وہ پینے جو پاؤ کا محتاج ہو۔

چر دا ہے نے کہا کہ ای موسیٰ! تو نے میرا منہ بند کر دیا اور مارے پشیمانی کے میری
جان جلا ڈالی، یہ کہہ کر کپڑے پھاڑ ڈالے۔ ایک آہ سرد کھینچی اور جنگل میں گھس کر غائب
ہو گیا۔ ادھر موسیٰ کو خدا نے پاک سے وحی ہوئی کہ ای موسیٰ! تو نے ہمارے بندے کو ہم سے
کیوں جدا کر دیا۔ تو دنیا میں مخلوق کو لانے آیا ہے یا جدا کرنے آیا ہے؟ خرد دار! جہاں تک
ممکن ہو فراق میں قدم مست رکھ۔ ہم نے ہر شخص کی باطنی فطرت جدا بنائی ہے اور ہر شخص
کو جدا بولی دی ہے جو بات اس کے لیے اچھی ہے وہ تیرے لیے بُری ہے، وہی بات اس
کے حق میں شہد کا اثر رکھتی ہے اور تیرے حق میں زہر کا۔ اس کے حق میں نور اور تیرے حق

میں نار۔ اس کے حق میں گلاب کا پھول اور تیرے حق میں کاشنا ہے۔ ہم پاکی و ناپاکی اور سخت و سبک جانی سب سے الگ ہیں۔ میں نے یہ مخلوق اس لیے نہیں بنائی کہ کوئی فائدہ کا توں بلکہ میرا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ ان پر اپنے کمالات کا فیضان کروں۔ ہندیوں کو ہند کی بولی اچھی اور سندھیوں کو سندھ کی بولی پسند ہے۔ ان کی تسبیح سے میں کچھ پاک نہیں ہو جاتا بلکہ جو موتی ان کے منہ سے جھڑتے ہیں ان سے وہ خود ہی پاک ہوتے ہیں۔ ہم کسی کے قول اور خطا ہر کو نہیں دیکھتے، ہم تو آدمی کے باطن اور حال کو دیکھتے ہیں۔ ای موسیٰ داناؤں کے آداب اور ہیں۔ دل جلوں جان ہاروں کے آداب دوسرے ہیں۔

جب موسیٰ نے حق سے یہ عتاب سنا تو بے تاب ہو کر جنگل میں اس چرواہے کو ڈھونڈنے نکلے۔ اس کا نقش قدم پہچانتے ہوئے اس قدر مارے مارے پھرے کہ مائے بیابان کی خاک چھان ڈالی۔ قاعدہ ہے کہ دیوانوں کا نقش پا دوسروں کے پاؤں کے نشان سے الگ ہوتا ہے۔ آخر کار آپ نے اسے تلاش کر لیا اور فرمایا کہ مبارک ہو، تجھے اجازت مل گئی۔ تجھے کسی ادب آداب اور قاعدے کی ضرورت نہیں تیرے جی میں جو آئے وہ تو کہ تیرا کفر دین ہے اور تیرا دین ذرہاں ہے۔ لہذا تجھے سب کچھ معاف ہے بلکہ تیرے دم سے ساری دنیا خلافت میں ہے۔ ای شخص خدا کی مرضی سے تجھے معافی مل چکی لہذا تو بے تکلف جو زبان پر آئے وہ کہہ دے۔ چرواہے نے کہا، ای موسیٰ! اب میں اس قسم کی باتوں سے درگزر، اب تو میں اپنے خونِ دل میں لتھڑا ہوا ہوں۔ اب تو میں سدرۃ المستنیرا سے بھی آگے بڑھ چکا بلکہ اس کے بھی آگے لاکھوں برس کا راستہ طے کر چکا۔ تو نے جو میرے گھوڑے کو کوڑا لگایا تو وہ فزرا پٹا اور ایک ہی جست میں سب آسمانوں کو طے کر گیا۔ اب میرا حال بیان سے باہر ہے اور جو کچھ میں کہ رہا ہوں وہ بھی میرا احوال نہیں ہے۔

ای شخص تو جو خدا کی تعریف اور حمد و سپاس کرتا ہے، تیرا حال بھی کچھ اس چڑا ہے سے بہتر نہیں ہے۔ تو سراسر ناقص اور جبانی زندگی سے آلودہ ہے اور تیرا حال و حال بھی سب ناقص و گنہ

۵۔ یہ محض اسی رحیمِ دکریم کی مہربانی ہے کہ وہ تیرے ناقصِ تجھے کو قبول فرمائے۔



ایک سونے والے کو جس کے حلق میں سانپ گھس گیا تھا ایک ترک کا مُکے مارنا

ایک ترک گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا، دیکھا کہ ایک سوتے ہوئے شخص کے حلق میں سانپ گھس گیا۔ سوار نے دُور سے دیکھ کر ہمتیہ لگھوڑا دوڑایا کہ سونے والے کو بچائے مگر موقع نہ ملا۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو اس نے چند گھونٹے سونے والے کو مارے۔ سونے والا گہری نیند سے ایک دم اُپھل پڑا، دیکھا کہ ایک ترک سوار گھونٹے پہ گھونٹا لگا رہا ہے۔ وہ ترک تابڑوٹو گھونٹے مارتا رہا یہاں تک کہ سونے والا تاب نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا، آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے ترک ایک درخت کے تلے پہنچے۔ وہاں بھرٹے پڑے سیب بہت سے پڑے تھے، ترک نے کہا کہ ای شخص ان سیبوں میں سے جتنے کھائے جائیں تو کھانا اور خبردار ہرگز کمی نہ کرے۔ ترک نے اس کو اس قدر سیب کھلائے کہ سب کھایا پیا اُلٹ اُلٹ کر منہ سے نکلنے لگا۔ اس نے ترک سے چلا کر کہا کہ ای امیر! آخر میں نے تیرا کیا بجاڑا تھا کہ تو میری جان کا لاگو ہو گیا۔ اگر تو میری جان ہی کا خاں ہے تو تلوار کے ایک ہی وار میں ختم کر دے۔ وہ بھی کیا بڑی گھڑی تھی جب کہ میں تجھے دکھائی دیا۔ وہ اسی طرح داویلا مچاتا اور بُرا بھلا کتا رہا۔ ترک نے پھر نیکے لگانے شروع کیے۔ اس کا سارا بدن ڈکنے لگا اور تھک کر چور ہو گیا لیکن وہ ترک شام کے چھٹپنے تک اسی طرح پکڑ دھکڑا اور مار پیٹ کرتا رہا یہاں تک کہ صفرا کے غلبے سے اس کو ڈاک لگ گئی اور سارا کھایا پیا نکلنے لگا اور سانپ بھی اسی تڑی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ جب اس نے اپنے پیٹ سے سانپ کو باہر نکلنے دیکھا تو مارے خون کے تھر تھر کانپنے لگا اور سارے جسم کا درد جو گھونٹے کھانے سے پیدا ہو گیا تھا بکلی منت جاتا رہا۔ ترک کے پانچ پر گڑا اور کہنے لگا، تو تو رحمت کا فرشتہ یا میرا ولی نعمت خداوند

ہی۔ میں تو مرچکا تھا تو نے مجھے زندگی تازہ بخشی۔ اڑی خداوند، شہنشاہ اور امیر اگر تو اصل حال فد ابھی مجھے بنا دیتا تو میں تیرے ساتھ ایسی بکواس کیوں کرتا۔ مگر تو نے تو اپنی چپ سے مجھے برہم کر دیا کہ وجہ بتائے بغیر میرے سر پر گھونٹے مارنے لگا۔ اڑی نیکو کار! مجھے معاف کر جو کچھ بے اوسافی میں میرے منہ سے نکل گیا اسے بخش دے۔ ترک نے کہا کہ اگر میں اس کا اشارہ بھی دیتا تو اسی وقت تیرا پتلا پانی ہو جاتا اور مارے خوف کے تیری جان ہی آدھی رہ جاتی۔ اس وقت نہ تو مجھے اس قدر سیدب کھانے کی قوت رہتی اور نہ توئی کرنے کی توبت آتی اسی لیے میں تیری فحش کلامی سنتا اور صبر کرتا رہا۔ سبب بتانا مناسب نہ تھا اور مجھے چھوڑنا مجھ سے ممکن نہ ہوا۔

اڑی عزیز! عاقلوں کی دشمنی بھی ایسی ہوتی ہے کہ ان کا دیا ہوا زہر جان کو نشوونما دیتا ہے۔ اس کے برعکس بے وقوفوں کی دوستی میں صدمہ اور گمراہی حاصل ہوتی ہے چنانچہ مثال کے طور پر یہ حکایت سنو۔



بے وقوف کا بھروسہ یا بچھ کی دوستی پر

ایک اڑدہا رہ بچھ کو کھینچ رہا تھا، ایک دلا در پہلوان اُدھر سے گزرا اور رہ بچھ کی مدد پر آمادہ ہوا۔ اڑدہے کی سخت گرفت سے رہ بچھ چلا یا تو دلا در نے اس کو اڑدہے کے قبضے سے چھٹا دیا۔ وہ دانو بیچ بھی جانتا تھا اور قوت بھی رکھتا تھا۔ اس نے اڑدہے کو مار ڈالا۔ اڑدہے کو اس نے ایسے دانو سے بے بس کیا کہ رہ بچھ جسمانی ہلاکت سے بچ گیا۔ اڑدہے میں قوت تو بہت ہوتی ہے مگر دانو بیچ وہ نہیں جانتا۔ غرض رہ بچھ کو اڑدہے نے چھٹکارا ملا اور اس جواں مرد پہلوان کی ہمت مردانہ کا شکریہ گزار ہوا تو سگ اصحاب کہف کی طرح اُس کے ساتھ ہو گیا۔ وہ شخص تھکا ہوا تھا۔ ایک جگہ آرام

لینے کے لیے لیٹ گیا اور رپچہ ازراہِ محبت پاسبانی کرنے لگا۔ ایک راہ گیر نے جو یہ حال دیکھا تو پوچھا کہ ای بھائی خیر تو ہے، یہ رپچہ تیرا کون ہے؟ اس نے سارا قصہ اور اثر وہے کا واقعہ سنا دیا۔ راہ گیر نے کہا، ارے سادہ دل! رپچہ پر اعتبار مت کر۔ نادان کی دوستی دشمنی سے بدتر ہے، جس چال سے بھی ممکن ہو اسے مار بھگا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم تو ازراہِ حسد کہتا ہے ورنہ بجائے اس کے رپچہ پن کے اس کی محبت کو دیکھتا۔ اس نے کہا کہ نادانوں کی محبت بہت چکنی چپڑی ہوتی ہے لیکن میرا یہ حسد اس کی محبت سے بہتر ہے۔ ارے بھلے مانس! میں رپچہ سے تو کم نہیں ہوں، اس کو ترک کر دے تاکہ میں تیرا رفیق رہوں۔ میرا دل بڑی فال کے خیال سے لڑنے لگتا ہے، اس رپچہ کے ساتھ کسی گھنے جنگل میں نہ جاؤ۔ میرا دل جو کانپتا ہے سو یہ وہم نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا نور ہے، جو ٹا دعویٰ اور خواہ مخواہ کی ترنگ نہیں ہے۔ میں مومن ہوں اور مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ دیکھ خبردار اس آتش کدے سے دور بھاگ۔ اس نے بہتیرا کہا مگر اس بے وقوف نے ایک نہ سنی۔ بدگمانی آدمی کے آگے بڑی چکلی دیوار ہو جاتی ہے۔ ناصح نے کہا کہ جب تو دوستی کی بات نہیں مانتا تو لے الوداع۔ اس نے جواب دیا کہ چل اپنا راستہ لے۔ تو میرا ایسا غم خوار کہاں کا آیا۔ چلتے چلتے اس نے پھر کہا کہ دیکھ میں تیرا دشمن نہیں ہوں، تیرے لیے بھلائی اسی میں ہے کہ تو میرے ساتھ ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے اب زندہ رہی ہے تو میرا بیچھا چھوڑ اور اپنا راستہ لے۔ وہ بدگمان نادان اور نااہل تھا۔ اس نے اپنے کتے پن کی وجہ سے عقل مند ناصح پر حسد کی تہمت لگائی اور رپچہ کو محبت اور وفا کا مٹلا سمجھا۔ آخر کار اس مسلمان نے نادان سے کسرائی لی اور منہ ہی منہ میں لاجول پڑھتا ہوا اپنا راستہ لیا اور اپنے جی میں کہا کہ جب نصیحت، اصرار، زبردستی سے اس کی بدگمانی اور بڑھتی ہے تو پند و نصیحت کی راہ بند ہو گئی اور ایسے لوگوں سے منہ پھیر لینا واجب ہو گیا۔

ادھر جب وہ شخص سو گیا اور رچھ لکھیاں جھلنارہا، لکھیاں بار بار آنے لگیں اور یہ بار بار اڑاتا رہا۔ اس طرح اس نے کئی بار اس جوان کے منہ پر سے لکھیاں اڑائیں مگر لکھیاں بار بار ہلٹ کر وہیں جمع ہو جاتی تھیں۔ آخر کار بیزار ہو کر ایک طرف دوڑا چھا گیا اور پہاڑ سے ایک بڑا پتھر اٹھالایا۔ اس نے دیکھا کہ کھیوں کے گچھے کے گچھے اس نیند کے متوالے کے منہ پر چھٹے ہوئے ہیں۔ بس اس نے پتھر اٹھایا اور اس ارادے سے کہ یہ لکھیاں نہ اڑیں نہ منہ پر بیٹھیں سونے والے کے منہ پر مارا۔ پتھر نے سونے والے کے منہ کو خشکاش کی طرح پاش پاش کر دیا اور تمام دنیا کے پلے یہ ضرب المثل بنا دی کہ نادان کی محبت اس رچھ کی محبت کے برابر ہے لہذا اس کا کینہ عین مہر اور مہرین کینہ ہے۔



دیوانے کا جالینوس کی طرف توجہ کرنا

جالینوس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ مجھ کو فلاں دو اجمال دو۔ ایک شاگرد نے اس سے پوچھا کہ حضرت! یہ دو تو جنوں میں دی جاتی ہے۔ آپ کی جان سے دُور، بھلا یہ دو آپ کھائیں گے؟ کہا کہ ہاں! میری طرف ایک دیوانہ متوجہ ہوا تھا۔ وہ ٹھوڑی دیر تک تو مجھے گھورتا رہا، پھر مجھے آنکھ ماری اور اس کے بعد میری آستین پھاڑ ڈالی۔ اگر مجھ میں کوئی ہم جنسی کی بات نہ پاتا تو وہ میری طرف رُخ ہی کیوں کرتا۔ جب دو شخص آپس میں تو یقین کرنا چاہیے کہ ان میں کوئی مشترک نسبت موجود ہے۔ کوئی پرندہ بغیر اپنے ہم جنس غول کے کب اڑتا ہے۔ اس کی تمثیل میں ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک بیابان میں کوتے اور کلنگ کو بڑے چاوستے پاس پاس بیٹھے دیکھا، میں یہ حال دیکھ کر اس نگر میں ڈوب گیا کہ ان میں مشترک تعلق کب ہو گا۔ اسی حیرت میں جب میں ان کے نزدیک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں لنگر شے تھے۔



ایک صحابی کا بیمار ہونا اور حضرت رسول ﷺ کا عیادت کو جانا

صحابہ میں سے ایک صاحب بیمار اور سوکھ کر کاٹنا ہو گئے۔ چونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلت سمر با لطف و کرم تھی اس لیے آپ بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ صاحب آنحضرت کے دیدار سے زندہ ہو گئے جیسے خدا نے اسی وقت پیدا کیا۔ کہنے لگے کہ اس بیماری نے میرا اقبال اس قدر بلند کیا کہ صبح سویرے یہ بادشاہ میرے گھر آیا۔ وہ یہ بیماری، تکلیف اور بھاری بھاگوں اور یہ درد اور رات کی جاگ کیسی مبارک ہے۔ حضرت پیغمبر نے اس بیمار سے کہا کہ شاید تو نے کوئی نامناسب دعا کی ہے۔ تو نے نادانستگی میں زہر کھالیا ہے۔ یاد کر تو نے کیا دعا کی اور فس کے کس مکر میں مبتلا ہو گیا۔ بیمار نے کہا کہ مجھے یاد نہیں مگر چاہتا ہوں کہ آپ کی ہمت میری مدد کرے کہ وہ دعا یاد آجائے۔ آخر جناب مصطفیٰ کے نور بخش دیدار کی برکت سے وہ دعا اس کے ذہن کے سامنے آ گئی۔ وہ روشنی جو حق کو باطل سے جدا کرنے والی ہے اس روزن سے چمکی جو ایک دل سے دوسرے دل تک چلا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ لیجیے وہ دعا مجھے یاد آ گئی جو میں بے خیالی میں کہہ گیا تھا۔ میں گناہوں میں گرفتار و غرق ہو کر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ آپ ہمیشہ مجرموں کو سخت عذابوں سے منع کرتے اور سزائے اعمال کا خوف دلاتے تھے اس سے میں بے تاب ہو جاتا تھا۔ نہ مجھے اپنی حالت پر صبر آتا تھا نہ بچنے کی کوئی سبیل تھی، نہ توبہ کی امید تھی نہ لڑنے کا موقع اور نہ خدا سے تعالیٰ کے بغیر میرا کوئی مددگار۔ میرے دل کے دوسرے اس قدر دشوار ہو چکے تھے۔ میں یہی کہتا تھا کہ خدا یا میرے اعمال کا جو عذاب ہو گا وہ اسی عالم میں جلد مجھ پر جاری فرماتا کہ آخرت میں بے فکر رہوں۔ میں اسی دعا پر اڑ کر بیٹھ جاتا تھا (رفہ رفہ) ایسی بیماری بڑھی کہ میری جان گھل گھل کر بے آرام ہونے لگی۔ اب تو میرا ذکر و وظیفہ بھی جاتا رہا اور بُرے بھلے، اپنے بیگانے سب سے غافل ہو گیا۔ اگر میں اب آپ کا مبارک

چہرہ نہ دیکھتا تو میں دفعۃً ہاتھ سے جاتا رہتا، آپ نے بڑی شابانہ غم خواری فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خبردار ایسی دعا پھر کبھی نہ کرنا، اپنے آپ کو جڑ پیر سے نہ اُکھیڑنا۔ ای ہمارے بیوی بیٹے میں یہ بل بوتہ کہاں کہ خدا تعالیٰ تجھ پر اتنا بڑا پہاڑ رکھے۔ صحابی نے کہا، توبہ توبہ! ای سلطان اب میں نے عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی بے سوچے سمجھے کوئی بڑنہ ہانکوں گا۔ ای رہ نماؤں کے رہ نما اس بیابان میں آپ ہی ہمیں راہ دکھائیے اور اپنی رحمت سے مجھے نصیحت فرمائیے۔ حضرت پیغمبر نے اس بیمار کو تعلیم دی کہ تو خدا سے یہ دعا کہ وہ تیری مشکلوں کو آسان کرے۔ ای خدا تو دُنیا اور دین دونوں جگہ ہمیں راحت و خیر عنایت فرما۔ ہماری منزل تو تو ہی ہے۔ راستہ کو بھی مثل باغ و بہستان کے ہم پر خوش گوار کر دے۔



موسیٰ کو حق تعالیٰ سے وحی ہوئی کہ ہماری بیماری پر سی کو کیوں نہیں آیا

خدا کی طرف سے موسیٰ پر یہ عتاب ہوا کہ اس شخص کو تو نے اپنی جیب و گریبان سے سوج کو نکلتے دیکھا ہے۔ ہم نے تجھ کو خدا ہی نور کا مشرق بنایا ہے، باوجود اس کے میں بیمار ہوا تو تو پریش تک کو نہ آیا۔ موسیٰ نے عرض کی ای پاک بے نیاز تو تو ہر نقصان و زوال سے بری ہے، تیرے اس شکوے میں کیا بگھتے ہیں، ظاہر فرما۔ پھر حکم ہوا کہ میں بیمار ہوں تو نے ازار و محنت مجھے پوچھا تک نہیں۔ موسیٰ نے کہا ای رب! تجھ میں تو کوئی گھٹا و نہیں، تیرے سوال سے میری عقل گم ہوئی جاتی ہے، میری اس گنتھی کو سلجھا۔ حکم ہوا کہ میرا ایک خاص مقبول بندہ بیمار ہو گیا ہے۔ اس بات کو غور سے دیکھو۔ اس کی بیماری میری بیماری اور اس کی معذوری میری معذوری ہے۔

پونخص خدا کی ہم نشینی چاہے، اس کو چاہیے کہ اولیا کی صحبت میں بیٹھے۔ اگر اولیا کی خدمت سے توجہ ہوگا تو جان لے کہ ہلاک ہو آکیوں کہ توجہ ہوگی کل نہیں ہے۔ شیطان جس

کسی کو اہل کرم سے دُور کر دیتا ہے تو اس کو بے یار و مددگار کر کے سر بھوڑ کر کھا جاتا ہے۔ ذرا سی دیر کو بھی اپنی جماعت سے جُدا ہونا بُرا ہے اور خوب جان لو کہ وہ شیطان کا ٹکڑی ہے۔



ایک باغبان کا صوفی و فقیہ و علوی کو ایک دوسرے سے جُدا کرنا

ایک باغبان نے دیکھا کہ اس کے باغ میں تین آدمی چوروں کی طرح گھس آئے ہیں۔ ان میں سے ایک فقیہ ایک سید اور ایک صوفی ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک سرکش و گستاخ ہے۔ اس نے اپنے جی میں کہا، مجھے ان کو تڑا برواقعی سزا دینا لازم ہے۔ لیکن یہ بیک دل ہیں اور جماعت بڑی قوت ہے۔ میں اکیلا ان تین آدمیوں سے سر بر نہیں ہو سکتا۔ لہذا تدبیر یہی ہے کہ پہلے ان کو ایک دوسرے سے جُدا کر دوں۔

یہ سوچ کر پہلے اس نے صوفی سے کہا کہ حضرت ذرا میرے گھر جاؤ اور ان اپنے ساتھیوں کے لیے ایک کبیل لے آؤ۔

جب صوفی کچھ دُور چلا گیا تو اس کے ساتھیوں سے کہنے لگا، کیوں صاحب آپ تو فقیہ اور یہ دوسرے نام دار سید ہیں۔ ہم تمہارے فتوے پر روٹی کھاتے ہیں اور تمہاری ہی عقل کے پردوں پر اُرتتے ہیں۔ اور یہ دوسرے شہزادے اور پھارے بادشاہ ہیں کیوں کہ سید اور قائدان حضرت مصطفیٰ سے ہیں۔ لیکن اس بڑھئیے صوفی میں کون سا سُرخاب کا پر ہے جو وہ تم جیسے بادشاہوں کے ساتھ رہے۔ اگر وہ واپس آئے تو اس کو رُوئی کی طرح دُھنک ڈالو اور تم لوگ ایک ہفتے تک میرے باغ و سبزہ زار میں قیام کرو اجی باغ صدقے کیا تھا، میری جان تمہاری ہے بلکہ تم تو میری دہائیں آنکھ ہو۔ ایسی چکنی چُچھری باتوں سے ان کو رجھایا اور خود نڈالے کر صوفی کے پیچھے چلا اور اسے پکڑ کر کہا، کیوں کہ کتے صوفی تو بے غیرتی سے لوگوں کے باغ میں دُڑانا گھس آتا ہے۔ یہ طریقہ کیا تجھ کو جنیدؒ

نے بتایا یا بائینہ پیدنے۔ بتا تو سہی کس شیخ اور کس پیر سے ایسی اجازت پہنچی۔ یہ کہہ کر صوفی کو خوب دھنکا، اس کو اودھ مٹا کر دیا اور سر بھار ڈالا۔ صوفی نے جی میں کہا کہ جو کچھ مجھ پہ آئی تھی وہ تو آگئی مگر ہم نشینو! ذرا اپنی خبر لو۔ تم نے مجھے غیر جانا حالانکہ میں اس بے حسیت مرد سے زیادہ غیر نہ تھا۔ جو کچھ میں نے کھایا ہر تمہیں بھی یہی کھانا ہے اور بات بھی یہ ہے کہ بد معاش کو ایسی ہی سزا ملنی چاہیے۔ جب باغبان نے صوفی کو ٹھیک بنا دیا تو ویسا ہی ایک بہانہ اور تراشا اور کہا کہ اے میرے شریفیت سید صاحب! آپ میرے عزیز خانے تشریف لے جائیں کہ میں نے آپ کے دوپہر کے کھانے کے لیے پوریاں تیار کرائی ہیں۔ میرے دروازے پر جا کر لونڈی کو آواز دیجیے وہ آپ کو پوریاں اور بھنی ہوئی قاز لادے گی۔ جب اس کو رخصت کر دیا تو فقیہ سے کہنے لگا کہ اے دین دار! یہ تو ظاہر ہے اور مجھے بھی یقین ہے کہ تو فقیہ ہے مگر یہ آپ کا ساتھی سیادت کا دعویٰ ہے دلیل کرتا ہے، کون جانتا ہے کہ اس کی ماں نے کیا کیا۔ غرض اس سید کو خوب صلواتیں سنائیں۔ فقیہ چپ بیٹھا سنتا رہا۔ وہ بد ذات اس سید کے پیچھے پیچھے چلا اور راستے میں ردک کر کہا، اے گدھے! اس باغ میں تجھے کس نے بلایا تھا۔ کیا یہ چوری کی میراث تجھ کو پیغمبر سے پہنچی ہے۔ شیر کا بچہ تو شیر ہی پڑا کرتا ہے، اب تو بتا کہ پیغمبر کے مقابلے میں تو کیا ہے۔ پھر اس لفٹنگے نے بد ذاتی سے سید کے ساتھ وہ کیا جو خارجی اولاد رسول کے ساتھ کرے۔ جب وہ سید اس ظالم کی ماد دھاڑ سے نڈھال ہو گیا تو آنکھوں میں آنسو بھر کر اس نے فقیہ سے کہا کہ میاں ٹھیرو! تم اب اکیلے رہ گئے ہو، اس تھاری تو ند پر وہ دھتواں دھوئی ہوگی کہ نقارہ بن جائے گی۔ اگر میں سید نہیں اور تیری رفاقت و ہمدمی کے لائق نہیں ہوں تو ایسے ظالم سے تو میں بدتر نہیں ہوں۔

ادھر جب وہ باغبان اس سے بھی فارغ ہو گیا تو فقیہ کی جانب مخاطب ہوا اور کہا کہ اے فقیہ! تو سارے بد ذاتوں کا سرغنہ ہے۔ ارے خدا تجھے لٹھا ٹنڈا کرے، کیا تیرا

یہی فتویٰ ہو کہ کسی کے باغ میں بے دھڑک گھس آئے اور آنے کی اجازت بھی طلب نہ کئے
ارے بد تمیز، ایسا فتویٰ تجھ کو ابو حنیفہ نے دیا یا شافعی نے۔ کیا تو نے ایسی اجازت
دسیط (کتاب فقہ) میں پڑھی یا یہ مسئلہ محیط (کتاب فقہ) میں درج ہے، اتنا کہ اس
ہمت چھٹ نے فقیہ کی وہ مرمت کی کہ دل کا پورا بخار نکال لیا۔ فقہیہ نے کہا، بے شک
تجھے حق ہے، مارنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھ، جو اپنوں سے جدا ہو جائے اس کی یہی سزا
ہے۔ اتنی سزا کا نہیں بلکہ اس سے سو گنی سزا کے لائق ہوں، آخر میں اپنے ذاتی بچاؤ
کے مارے اپنے ہمدموں سے کیوں جدا ہوا۔

غرض جو شخص اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر اکیلا رہ جاتا ہے اس پر ایسے ہی
مصائب آتے ہیں +



مُرید کا مکان تعمیر کرنا اور پیر کا امتحان لینا

ایک مرید نے نیا گھر بنایا، پیر گھر دیکھنے آئے۔ پیر نے امتحان کی خاطر
اپنے مرید سے پوچھا، اے رُشیق! یہ روشن دان تم نے کیوں بنایا، جواب دیا
اس لیے کہ اس کے ذریعے سے اندر روشنی آئے۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ تو فرع
ہے، اصل غرض یہ ہونی چاہیے تھی کہ اس ذریعے سے اذان کی آواز آئے گی۔
روشنی تو اپنے آپ آتی مگر نیت وہ کرنی چاہیے جو تیرے لائق ہو۔
یہ وہ محنت ہے جس کی تعلیم اس حدیث شریف میں دی گئی ہے کہ آدمی کے
عملی کار مدار اس کی نیت پر ہوتا ہے +



سائل کا حیلے سے بہلول سے بھید کھوالینا

ایک شخص یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے ایسا عقل مند چاہیے جس سے آڑے وقت مشورہ لیا کروں۔ کسی نے کہا کہ ہمارے شہر میں تو سوائے اس مجنون صورت کے اور کوئی ناقل نہیں۔ دیکھ وہ شخص سرکنڈے پر سوار بچوں میں دوڑتا پھرتا ہی۔ ظاہر میں تو دن رات گیند کھیلتا پھرتا ہی مگر باطن میں پوشیدہ خزانہ ہی۔ سائل نے بھی حیلہ کیا اور بہلول سے کہا، اے سوار! ایک لفظ کے لیے گھوڑے کا رخ ادھر پھیر دیجیے۔ فوراً اس کی طرف سرکنڈا بڑھا کر کہا کہ ہاں جلدی کہو کیوں کہ میرا گھوڑا بہت منہ زور اور تیز ہی۔ جلدی کر، کہیں تجھے لات نہ مار دے، جو کچھ تو پوچھنا چاہتا ہی جلدی پوچھ۔ جب اس نے دل کا بھید کئے کا کوئی موقع نہ دیکھا تو اس نے اپنے دل کے بھید کو چھپا کر دل لگی شروع کر دی کہ بہلول کا بھید معلوم کرے۔ کئے لگا میں نکاح کے لیے ایک عورت کی تلاش میں ہوں، مجھ جیسے آدمی کے لیے کیسی عورت چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ جہان میں تین قسم کی عورتیں ہیں ان میں دو کھوٹی ایک چلتی سکتی ہے۔ لہذا اگر اس سے نکاح کیا تو پوری کی پوری تیری جو رو رہے گی۔ اور جو دوسری ہی سو وہ آدمی تیری ہی اور آدمی تجھ سے الگ اور وہ تیسری یاد رکھ کہ بالکل تیری نہیں، مسن لیا، چل دور ہو، میں تو چلا۔ کہیں میرا گھوڑا ایسی لات رسید نہ کرے کہ تو گر پڑے اور پھر ابد تک اٹھ نہ سکے۔ شیخ سرکنڈے کا گھوڑا دوڑاتے چلے گئے مگر اس جوان نے دوبارہ آواز دی کہ، اے جی حضرت چلے کہاں، یہاں تو آؤ، یہ جو تم نے تین قسم کی عورتیں بتائیں تو ان کی علامت و شناخت تو بتاؤ۔ آپ نے پھر گھوڑا روکا اور فرمایا کہ اگر کتو آری

سے شادی کرے گا تو وہ پوری تیری ہوگی اور تو بے فکر رہے گا اور جس کو میں نے آدھی جو رو بتایا وہ بیوہ عورت ہوتی ہے۔ اور وہ جس کو میں نے جو رو گیری ہی سے فارغ بتایا وہ بال بچوں والی بیوہ ہے، ایسی عورت کے چونکہ پہلے شوہر سے بچے ہوتے ہیں اس لیے اس کی محبت اور دلی توجہ تمام تر اسی طرف ہوتی ہے۔ بس چل دے کہیں میرا گھوڑا لات نہ مارے اور میرے شہر بگھوڑے کے سُم کا نشان بیٹھ جائے۔ شیخ نے ابا ہا ہا، اہو ہو ہو کے نعرے لگائے اور اپنا گھوڑا پلٹا کر بچوں کو پاس بلانے لگے۔ اس سائل نے پھر چلا کر کہا کہ ای میاں بادشاہ ایک سوال اور رہ گیا ہے، ذرا وہ بھی بتاتے جاؤ۔ آپ نے پھر گھوڑے کو پھیر کر پوچھا کہو وہ کیا ہے، جلدی کہو، دیکھو، وہ بچہ میری گیند اڑائے گیا۔ اس نے کہا کہ ای بادشاہ اس قدر عقل و تیز کے باوجود یہ کیا کر کا جاں بچھا رکھا ہے۔ تو تو عقل کل سے بھی آگے اور گفتار میں آفتاب وقت ہے پھر جنون میں کیوں چھپ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان نفس پرستوں کی رائے یہ قرار پائی تھی کہ مجھے اس شہر کا قاضی بنائیں۔ میں نے معذرت کی تو اڑ گئے کہ جب تم جیسا کوئی صاحب علم نہیں ہو تو باوجود اس کے حرام اور ناسزا دار ہے کہ کوئی علم شخص احکام قضا نافذ کرے۔ شریعت نے یہ اجازت ہی نہیں دی ہے کہ ہم تیرے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اپنا قاضی اور پیشوا تسلیم کریں۔ اس مجبوری سے میں دیوانہ ہو کر داہی تباہی پھرنے لگا اور اپنی معذوری کی بنا پر اس گردہ سے اپنا پیچھا چھٹایا۔ اگرچہ ظاہر میں مجھے ضلل دماغ معلوم ہوتا ہے لیکن باطن میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ پہلے تھا۔ میری عقل گنج ہے اور میں ویرانہ ہوں اگر میں اپنا خزانہ عوام پر ظاہر کر دوں تو یہ دیوانگی ہوگی۔ لہذا اب میں قنبر کی کان یا گئے کا کھیت ہوں، مجھ سے شیرینی اگتی ہے اور اس کو میں ہی کھاتا ہوں۔

بعض دفعہ ایسا وقت آتا ہے کہ اہل خرد کو اپنی خرد مندی چھپانے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

کو تو ال کا ایک شرابی کو قید خانے کا حکم دینا اور اس کا جواب

ایک رات کو کو تو ال گشت کرتا ہوا ایک جبد پہنچا، دیکھا کہ دیوار کے نیچے ایک شخص پڑا سو رہا ہے۔ کو تو ال نے کہا، جی تو تو جہست معلوم ہوتا ہے۔ سچ بتا تو کیا پی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو صراحی میں ہے وہی پی ہے۔ کو تو ال نے سوال کیا کہ آخر صراحی میں کیا ہے صاف صاف بتا، اس نے کہا کہ وہی جو میں نے پی ہے۔ کو تو ال نے کہا کہ تو بات ڈھکی ہوئی کہتا ہے۔ پھر کو تو ال نے مکر سوال کیا کہ تو نے جو شہ پی ہے وہ کیا ہے، اس کا جواب دے۔ اس نے پھر وہی جواب دیا کہ وہی جو اس صراحی میں چھپی ہوئی ہے۔ یہ سوال و جواب یوں ہی ہوتے رہے اور کو تو ال صاحب گدھے کی طرح کچھڑ میں پھنسنے رہے۔ اس سے محتسب نے کہا کہ اچھا منہ کھول کر آہ تو کر، شرابی نے منہ کھول کر ہنسنے لگا۔ کو تو ال نے کہا کہ ہائیں! میں نے آہ کرنے کو کہا تو ہنسنے لگا ہے، اس نے کہا آہ تو درد و غم کے موقع پر ہونا کرتی ہے اور شرابیوں کی ہاؤ ہنسا مارے خوشی کے ہوتی ہے۔ کو تو ال نے کہا کہ میں ان باتوں کو نہیں جانتا، بس کھڑا ہو، زیادہ زبان زدوری نہ کر۔ متوالے نے کہا، ارے چل نکل، تو کون اور میں کون۔ کو تو ال نے کہا، تو نے شراب پی ہے، قید خانے تک چل۔ اس نے کہا اے کو تو ال چل دؤر ہو، بھلانگے سے بھی کوئی چیز گدی رکھی جا سکتی ہے۔ اگر مجھ میں چلنے کی قوت ہوتی تو اپنے گھر کیوں نہ جاتا اور یہ واقعہ ہی کیوں پیش آتا۔ اگر میں عقل اور ہوش و حواس میں ہوتا تو پیروں کی طرح کوئی دکان جاتا۔ یہاں کیوں پڑا ہوتا۔



ابلیس کا زمانے کے لیے معاویہ کو بیدار کرنا

روایت ہے کہ امیر معاویہ اپنے کمرے کے ایک گوشے میں سو رہے تھے، چونکہ لوگوں

کی ملاقاتوں سے تھک گئے تھے اس لیے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ یکا یک ایک شخص نے جگا دیا اور جب ان کی آنکھ کھلی تو غائب ہو گیا۔ آپ نے اپنے جی میں کہا کہ اس کمرے میں تو کوئی بھی آنہ سکتا تھا پھر یہ کون تھا جس نے ایسی شرارت اور جرات کی۔ آپ نے اس کی جستجو میں سارے کمرے کا چکر لگایا یہاں تک کہ اس روپوش کا پتہ لگ گیا۔ آپ نے ہٹ کی آڑ میں ایک شخص کو دیکھا جو پردے سے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھا، آپ نے فرمایا، ہائیں! ارے تو کون، تیرا نام کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میرا نام الم نثر ہے میں ابلیس ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا، سچ کہہ کوئی غلط وجہ نہ بتانا۔ اس نے کہا کہ حضرت! نماز کا وقت ختم ہونے آیا اب مسجد کو لپکنا چاہیے۔ خود حضرت رسول اللہ صلعم نے وحدت کا موتی یوں پرویا ہی ”تجملوا الطاعات قبل الفوت“ یعنی قبل اس کے کہ وقت نکل جائے اداسے عبادت میں جلدی کرو۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، تیری یہ غرض ہرگز نہیں ہو سکتی کہ نیکی کے کام میں میری رہ نمائی کرے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ چور چھپواں میرے گھر میں آئے اور کہے کہ میں پاس بان ہوں۔ میں چور کی بات کا کیوں کر یقین کر لوں، چور مزدوری کے فائدے کو کیا جانے۔ ارے تو تو بڑا رہزن چور ہے اور تو مجھ پر اس قدر مہربان ہو جائے۔ ابلیس نے کہا کہ ہم فرشتے بھی رہ چکے ہیں اور طاعت و عبادت کے راستے کو جان و دل سے طے کر چکے ہیں۔ ہم اہل سلوک کے ہم راہ اور عرش کے رہنے والوں کے ہمدم تھے۔ لہذا اپنی عادت ایک دم کیسے بدل جائے اور اس عادت کی محبت دل سے کیوں کر جاتی رہے۔ بزمانہ سفر چاہے تو روم دیکھے چاہے ختن دیکھے لیکن وطن کی محبت کا نقش دل سے کیوں کر مٹ سکتا ہے۔ ہم بھی اس شراب میں مست رہ چکے ہیں اور اس کی درگاہ عالی کے عاشقوں میں سے تھے۔ امیر (معاویہ) نے کہا کہ یہ باتیں تو سچ ہیں لیکن یہ تیرے حصے میں نہیں۔ لاکھوں کو تو نے گمراہ کیا اور کومل لگا کر خزانے میں گھس آیا۔ تو مجسم آگ ہو، تجھے بغیر جلائے چارہ نہیں

اور وہ کون ہی جس کا دامن تیرے ہاتھ سے چاک نہیں۔ باتیں نہ بنا، مجھ پر تیرا قبضہ ممکن نہیں۔ تو رہزن ہو اور میں مسافر، جو پارسی ہوں تو مشتبه مال کیسے ہی دھوکے سے لائے بھلا میں کب خریدنے والا ہوں۔ اور فریبی، سچ سچ بتا، تو نے کس مصلحت سے مجھے بیدار کیا۔ کیونکہ اب میرے ساتھ بہانہ بازی نہیں چلے گی، اپنی غرض صاف صاف بیان کر۔ ابلیس نے کہا کہ جو شخص فطرۃً بدگمان ہوتا ہے وہ باوجود سو قریبوں کے بھی سچائی قبول نہیں کرتا۔ ہر دل جس میں کچھ سوچ بچار ہوتی ہے جب اس پر کوئی دلیل پیش کی جاتی ہے تو اس کے خیال کو اور تقویت ہو جاتی ہے۔ اور نیک مرد! تو خدا سے میرا ردنا کیا روٹا ہے تو اپنے ہی نفس کی شرارتوں کا رونارو۔ تو طلو اکھاتا ہے اس سے بوجہ فسادِ خون تجھے ڈنبل ہو جاتے ہیں، بخار آنے لگتا ہے اور طبیعت بگڑ جاتی ہے لیکن چونکہ تو اپنے کیے پر نظر نہیں رکھتا اس لیے ابلیس کو بے قصور لعنت کرتا ہے۔ امیر (معاویہ) نے کہا کہ جب تک سچ نہ کہے گا میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ اگر سچ بتائے گا تو میرے قبضہ سے نجات پائے گا۔ ابلیس نے کہا اور سوچ بچار والے، شک و شبہ سے لبریز! آپ سچ اور جھوٹ کو کیوں کر پہچانتے ہیں۔ امیر (معاویہ) نے جواب دیا کہ حضرت پینتیر نے اس کی پہچان بتائی ہے اور کھوٹے کھرے کی کوئی مقرر کر دی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جھوٹ دلوں میں کھوٹ پیدا کرتا ہے اور سچ اطمینان بخشتا ہے۔ جھوٹ بات سے دل کو تسکین نہیں ہوتی جس طرح کہ پانی اور تیل کے ملنے سے روشنی نہیں ہوتی۔ سچی بات سے دل چین پاتا ہے کیوں کہ سچائی مرغِ دل کی گرفتاری کے لیے دانہ ہے۔ میں نے اپنی عادت و کردار کو حرص و ہوس سے پاک کر لیا ہے، میں نے شہوت کے لقمے ترک کر دیے ہیں۔ میرا ضمیر اتنا روشن ہو گیا ہے کہ سچ کو جھوٹ سے الگ کر لیتا ہے۔ اور ملعون نکتے! تو میرا جواب دے، سچ کہہ اور جھوٹے بہانے مست کر۔ کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا، حالانکہ اور دعا بازا! تو بیداری کا دشمن ہے۔ تو تو شخصائش کی طرح خواب آور ہے، بلکہ تو مثل شراب کے ہے کہ عقل کو غائب کر دیتا ہے۔ دیکھ میں نے تجھے

چار میخ کر دیا ہے، اب صاف صاف بتا، جیلے حوالے مست کر۔ سچ کو میں جانتا ہوں۔ میں ہر شخص سے وہ بات سننی چاہتا ہوں جو اس کی طبیعت اور فو خصلت کے مطابق ہو۔ چونکہ شیطان خیر ہی اس لیے میں یہ امید نہیں رکھتا کہ وہ ازراہ نیکی مجھے بیدار کرے۔ الغرض شیطان نے بہتیری مکر و فریب کی باتیں بنائیں لیکن امیر (معاویہؓ) نے ایک نہ سنی اور اس پر بہت تشدد کیا۔ اس نے دانت چبا کر کہا کہ لے سُن، ان شخص! ہاں میں نے تجھے بیدار کیا تاکہ تو اپنے پیغمبر کی اتباع میں نماز جماعت میں داخل ہو۔ اگر تیری نماز کا وقت جاتا رہتا تو مارے درد و غم کے تیرے آنسوؤں کی مشکیں دونوں آنکھوں سے چھٹ جاتیں۔ ہر شخص ایک نہ ایک قسم کی عبادت کا چکار رکھتا ہے اس کے بغیر گھڑی بھر صبر نہیں کر سکتا وہ تیرا درد و غم سو نمازوں کے برابر ہوتا بھلا نمازیں اور اس فروتنی کی روشنی میں کیا نسبت اگر تمہاری نماز اس وقت فوت ہو جاتی تو اس پشیمانی کے درد سے تم آہ و فغاں کرتے۔ وہ انوس، وہ آہ و زاری اور وہ فروتنی، سو ذکر اور سو نمازوں پر سبقت لے جاتی ہیں تو حاسد ہوں۔ میں نے اسی حد سے تم کو بیدار کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ اب تو نے ٹھیک بات بتائی۔ تیرا یہی کام ہے۔ تو اسی کے لائق ہے۔ تو مکرٹی ہے تمہیوں کا شکار کرتا ہے۔ مگر اگتے میں تمہی نہیں ہوں میرے شکار کے لیے تکلیف نہ اٹھا۔ میں سفید باز ہوں مجھے بادشاہ ہی شکار کرتا ہے۔ بھلا مکرٹی میرے اطراف جالا کیوں کرتن سکتی ہے۔ تو نے جو مجھے بیدار کیا سو وہ سنانے کے لیے تھا اور تو نے جو کشتی دکھائی وہ گرداب تھا۔ تو جو مجھے بھلائی کی طرف بلا رہا تھا وہ اس لیے تھا کہ مجھے افضل ترین نیکی سے باز رکھے ۴



ایک شخص کا نماز جماعت کے نہ ملنے پر حسرت کرنا

ایک شخص مسجد میں داخل ہو رہا تھا۔ دیکھا کہ لوگ باہر چلے آ رہے ہیں۔ پوچھنے لگا کہ

جماعت ہو چکی جو لوگ مسجد سے باہر آ رہے ہیں۔ ایک نے کہا کہ حضرت سینیرؓ جماعت سے نماز ادا فرما چکے۔ اسے بے وقوف تو کہاں چلا حضرت تو سلام پھیر چکے۔ اس نے جو ہلے کی تو دستوں باہر نکلنے لگا۔ اس کی آہ سے خونِ دل کی بو آنے لگی۔ یہ دیکھ کر کسی نمازی نے کہا کہ اسی نماز کو نے والے اپنی یہ آہ تو مجھے بخش دے۔ میں نے اپنی نماز تجھے بخشی۔ اس نے کہا کہ آہ میں نے دی اور نماز قبول کی۔ اس شخص نے وہ آہ بڑے اعزاز سے لے لی اور بڑی فروتنی و رقت کے ساتھ اپنے گھروا پس ہوا۔ وہ باز تھا جسے تلاش نے شہباز بنا دیا۔ رات کو خواب میں آوازِ غیب آئی کہ تو نے آبِ حیاں خرید لیا۔ تیری اس خرید و بدل کے اعزاز میں ساری مخلوقات کی نماز مقبول ہوگئی +



ایک چور کا صاحبانہ سے ہاٹھ چھٹا کر بھاگنا

ایک شخص نے گھر میں چور دیکھا اور اس کے پیچھے دوڑا یہاں تک کہ تھک کر پسینے پسینے ہو گیا۔ جب بھاگ دوڑ میں وہ اتنا قریب پہنچ گیا کہ اس کو پکڑ لے تو دوسرے چور نے پکارا کہ اجی مہاں، یہاں آؤ یہ تو دیکھو بلا کے نشان یہاں ہیں۔ جلدی پلٹ کر آؤ۔ صاحب خانہ نے یہ آواز سنی تو خوف زدہ ہوا اور اپنے جی میں کہا کہ شاید ادھر کے چور نے کسی کو مار ڈالا یا وہ مجھ پر بھی پیچھے سے حملہ کرے گا۔ ممکن ہی میرے بال بچوں پر ہاتھ ڈالے تو اس چور کے پکڑنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سوچ کر پہلے چور کا پیچھا چھوڑ دیا اور پلٹ کر واپس آیا۔ کہا کہ اسی ہر بان کیا بات ہے، تم کیوں چیخ رہے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ دیکھیے چور کے پیروں کے نشان وہ بد ذات چور ضرور ادھر ہی سے گیا ہے یہ اس کا کھوج موجود ہے بس اسی کو دیکھتے بھاگتے اس کے پیچھے چلے جاؤ۔ صاحب خانہ نے کہا کہ اسے بے وقوف مجھے کھوج کیا بتاتا ہے میں نے تو اصل چور کو پکڑ ہی لیا تھا۔ تیری چیخ پکار سن کر چھوڑا اور تجھ گدھے کو آدمی سمجھا۔ اسے الحق

یہ تو کیا بیہودہ بکواس کرتا ہے، میں تو حقیقت کو پا چکا تھا، بھلا نشان کیا چیز ہے۔ یا تو تو بد معاش ہے یا بے وقوف، بلکہ ممکن ہے کہ تو ہی چور ہو اور سب واقعہ تجھے معلوم ہو۔ میں تو اپنے دشمن پر قبضہ پا چکا تھا، تو نے اسے چھٹوا دیا یہ کہہ کر کہ دیکھو یہاں نشان ہے۔

امیر معاویہؓ کی حکایت کی طرح یہ دوسری تمثیل ہے کہ کس طرح آدمی کو ایک بہتری کا لالچ دے کر اصل بھلائی سے روکا جاسکتا ہے کہ فائدے کی بجائے وہ خسارے میں رہے۔



منافقوں کا مسجدِ اقصیٰ تعمیر کرنا

کج روی کی ایک اور مثال سنو، شاید تمہارے دل میں اترے۔ ایسی ایسی میڑھی چالیں اہل نفاق حضرت رسول اللہ صلعم سے بھی چلتے تھے۔ کہتے تھے کہ آؤ دین احمدی کی عزت بلند کرنے کو ایک مسجد بنائیں اور حقیقت وہ فریب کا گھر تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک مسجد کی تعمیر آغاز کی، فرش اور چھت تیار کر دی۔ سمتِ قبلہ درست کر دی۔ لیکن مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ پڑ جائے، حضرت پیغمبر کے حضور میں خوشامد نہ آئے اور عرض کی کہ ای رسولؐ خدا انراہ احسان اس مسجد تک قدمِ رنجہ فرمائیے تاکہ آپ کے قدموں کی برکت سے مسجد مبارک ہو جائے، اللہ تعالیٰ آپ کے نام پاک کو تاقیامت قائم رکھے۔ یہ مسجد دھوپ اور پانی سے بچاؤ کے لیے کارآمد ہے تاکہ مسافروہاں آرام کی جگہ پائے۔

خدا کے رسول صلعم کے آگے جا دو گری کیا کرنے لگے وہ اپنی ہا ہی اور جہالت کا گھوڑا دوڑانے لگے۔ چاہلوسی اور خوشامد کر کے چاہتے تھے کہ حضرت وہاں تشریف لائیں۔ وہ مہربان سراپا رحمت رسولؐ تھے کہ سوائے تبتم اور اچھا اچھا فرمانے کے کچھ

نہ کہتے تھے۔ آپ نے اس جماعت کی خوبیاں گنائیں اور درخواست کو قبول کر کے ان کا دل خوش کر دیا۔ باوجودیکہ ان کا مکر آپ پر دفعۃً اس طرح ظاہر ہو گیا تھا جس طرح کہ دودھ میں بال دکھائی دیتا ہے۔ اس بال سے قطع نظر کر کے آپ ان کے دودھ ہی کی تعریف فرماتے رہے۔ جب طے ہو گیا کہ حضرت رسول اللہ وہاں تشریف لے چلیں تو غیر متحقی نے آواز دی کہ ان فریبیوں کی بات نہ سنو۔ جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں واقعہ اس کے برخلاف ہے۔ ان کا ارادہ سیہ رومی کے سوا کچھ نہ تھا بھلا آتش پرینوں اور یودیوں نے دین داری کب پسند کی۔ انہوں نے دوزخ کے بل پر سجد بنائی ہے اور خدا سے بھی مکر کیلئے ہیں۔ ان کا ارادہ تو اصحاب رسول صلعم میں تفرقہ ڈالنا ہے۔ پھر حضرت پیغمبر صلعم کو حکم ہوا کہ ان کی بے وفائی صاف صاف ظاہر کر دو۔ آپ نے فرمایا کہ اے بے وفا جماعت، چپ رہو۔ تم لوگ بد باطن اور دشمن ہو، میرا بیچھا چھوڑو۔ جب ان کے چند بھید کھولے تو ان کی ساری عمارت ڈھیر گئی۔ سارے (لمپی خدا نہ کرے، خدا نہ کرے) کا دم بھرتے ہوئے واپس ہوئے۔ اس کے بعد ہر منافق قرآن بغل میں دبائے مکر سے حضرت پیغمبر کے پاس لایا تاکہ تمہیں کھائیں کہ بات بات پر قسم کھانا بھی گمراہوں کی سنت ہے۔ چونکہ گمراہ اپنے دین پر پختہ نہیں ہوتا اس لیے حربے ضربے قسم توڑ دیتا ہے۔

وہ لوگ نوروحی سے محروم تھے اس لیے قسموں پر قسمیں کھاتے رہے۔ چونکہ خدا نے سوگند کو سپر بنایا ہے اس لیے لڑنے والا سپر کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم نے پھر یہ نیکو ار فرمایا کہ تم جھوٹے ہو۔ جب شہادتوں سے بھی ثابت ہو گیا کہ وہ مسجد نہ تھی بلکہ یودیوں کے مکرو حیلہ تراشنے کی غرض سے ایک مکان تھا تو حضرت رسول صلعم نے حکم دیا کہ اس کو منہدم کر کے یہاں کو ڈاکر کٹ ڈالا کرو

پس جانتا چاہیے کہ حقائق اصل اصول ہیں، وہاں بھی ایک سے دوسرے میں

فرقِ فصل ہے۔

ای صاحبِ عمل، اپنی کردار کو کسوٹی پر کس کر دیکھ، کہیں تو بھی مسجدِ ضرار نہ تعمیر کر رہا ہو۔ اس مسجد بنانے والوں کا تو خوب تسخر کیا مگر جب اپنے عمل پر نظر ڈالی تو خود بھی ان ہی میں سے نکلا +



چار ہندوستانیوں کا نماز میں بات کرنا

چار ہندوستانی ایک مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ ہر ایک نے الگ الگ تکبیر کہی اور بہت انکسار اور سوزِ درونی سے نماز میں مصروف ہوا۔ جب مؤذن آیا تو ان میں سے ایک کے منہ سے نکل گیا کہ ای مؤذن اذان بھی دی؟ ابھی وقت ہے۔ دوسرے نے بہت عاجزی سے کہا، تم نے نماز میں بات کی بس نماز باطل ہوئی۔ تیسرے نے دوسرے سے کہا کہ ارے عقل کے اندھے! اسے طعنہ کیا دیتا ہے ذرا اپنے کو تو دیکھ چوتھے نے کہا کہ اکھڑتہ کہ میں تم تینوں کی طرح کتوں میں نہیں گرا۔ اس طرح چاروں کی نماز جاتی رہی۔

دوسروں کے عیب پر نظر رکھنے والے اکثر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ سعادتِ الٰہی وہ ہے جس نے اپنا عیب دیکھا اور کسی نے دوسرے کا عیب بیان کیا تو اُسے بھی اپنے ہی سے منسوب کیا کیونکہ اگر ایسا عیب تجھ میں نہیں ہے تو بھی بے فکر مت ہو، ممکنہ ہے کہ آئندہ اسی قسم کا عیب تجھ میں ظاہر ہو جائے +

ڈاکوؤں کا دو شخصوں میں سے ایک کو مار ڈالنے کا قصد کرنا

کسی جگہ ڈاکو بڑے خون ریز تھے ایک گاؤ پر ڈاکہ زنی کے لیے آپڑے۔ اس گاؤ کے مال داروں میں سے دو شخصوں کو پکڑ کر ایک کی گردن مارنے پر تیار ہوئے۔ اس کے ہاتھ باندھ دیے کہ گلا کاٹ ڈالیں۔ اس نے پوچھا کہ ای بادشاہو، ادرا ای بڑھیا امیرو! آخر میرے ہی خون کا ارادہ کیوں کرتے ہو، کیا میرے ہی خون کے پیاسے ہو۔ میرے مار ڈالنے کی غرض اور حکمت کیا ہے، میں تو مروفقیر اور ننگا ہوں۔ ڈاکوؤں نے کہا، تجھے مار ڈالنے میں حکمت یہ ہے کہ تیرے ساتھی پر ہماری ہیبت طاری ہو اور جان کے ڈر سے دولت کی نشاں دہی کرے۔ اس نے کہا کہ وہ تو مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہے، ایک تڑک نے کہا کہ ہم کو گمان ہے کہ وہ دولت مند ہے۔ اس نے کہا کہ جب تم کو شک ہے کہ ہم دونوں دولت مند ہیں تو اول دوسرے گرفتار کو قتل کرو تاکہ میں ڈر کر دولت کی نشاں دہی کروں۔

خدا کی بخششوں کو دیکھ کہ ہم دؤبر آخر کی انتہا پر دنیا میں آئے۔ قوم نوح اور قوم ہود کی ہلاکت کی عبرتیں رحمت کے منادی نے ہم پر کھول کر بیان کر دیں۔ ان کو اس لیے مار ڈالا کہ تو ڈرے ادرا اگر اس کے برعکس ہوتا تو تیرا کہاں ٹھکانا لگتا +



ایک بڑھے کا طبیب سے شکایتِ مرض کرنا اور طبیب کا جواب دینا

ایک بوڑھے شخص نے طبیب سے کہا کہ میں ضعفِ دماغ میں مبتلا رہتا ہوں۔ طبیب نے کہا کہ یہ ضعفِ دماغ بڑھا پے کے سبب سے ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ میری آنکھ میں دھندلا پن آ گیا ہے۔ طبیب نے جواب دیا کہ ای مرو بزرگ! یہ بھی بڑھا پے

سے ہے۔ اس نے کہا کہ میری کمر میں درد رہتا ہے۔ طبیب نے کہا یہ بھی بڑھا پے کی وجہ سے ہے۔ پھر اس نے شکایت کی کہ کھانا ہضم نہیں ہوتا، طبیب نے کہا کہ ضعفِ معدہ بھی بڑھا پے کی علامت ہے۔ پھر بوڑھے نے کہا کہ میرا سانس رُک کر چلتا ہے۔ طبیب نے کہا کہ ہاں جب بڑھا پے آتا ہے تو سوجا بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ سانس بھی رُک جاتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاؤں بے کار ہو گئے چلا نہیں جاتا، طبیب نے کہا کہ اس بڑھا پے نے تجھے گوشہ نشین کر دیا۔ اس نے کہا کہ میری کمر ڈھری ہو گئی، اس نے جواب دیا کہ یہ بھی ضعیفی سے ہوئی ہے۔ آخر کار (جھنجلا کر) بوڑھے نے کہا کہ ادا حق تو ایک ہی بات رتے جاتا ہے! کیا فنِ طبابت میں تو نے بس یہی سیکھا ہے۔ ارے بددماغ! خدا نے ہر درد کی دو امقرر کی ہے۔ تو احمق گدھا اپنی نادانیت کی وجہ سے زمین پر پڑا لوٹ رہا ہے۔ پس طبیب نے جواب دیا کہ ادا پیر فر تو ت! یہ تیرا غصہ بھی بڑھا پے کے سبب ہے۔ جب سب اجزا و اعضاء کم زور ہو گئے تو صبر و ضبط کی قوت بھی کم ہو گئی۔ جیسے بات کی برداشت نہیں ہوتی وہ گرم آواز نکالتا ہے اور جو ایک گھونٹ پچا نہیں سکتا اسے قی ہو جاتی ہے۔ ہاں۔ مگر وہ بوڑھا جو حق کا متوالا ہے اس کے اندر پاک زندگی ہے ایسا شخص ظاہر میں بوڑھا اور باطن میں بچہ ہے، ولی و نبی کیسے ہوتے ہیں؟ — ایسے ہی ہوتے ہیں +



ایک لڑکے کا اپنے باپ کا ماتم کرنا اور سحرے کی اس پر رائے زنی

ایک لڑکا اپنے باپ کے تابوت پر پھوٹ پھوٹ کر روتا اور سر پینٹتا تھا، کہ ادا دادا جان! یہ لوگ تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ یہ تمہیں ایک تنگ و تاریک گڑھے میں ڈالیں گے جہاں نہ قالین ہے نہ بوریا ہے۔ نہ وہاں رات کو چراغ ہے نہ کھانے کا نام و نشان ہے۔ نہ سس کا در بند ہے نہ کھلا اور نہ وہاں کوئی ہمسایہ ہے جو پشت پناہی کرے۔ آپ کا جسم جو پوسہ گاہِ خلق

تھا، تاریک دسیاہ گھر میں کیوں کر رہے گا۔ ایسا گھر جو بالکل تنگ اور قابلِ رہنے کے نہیں جس میں چہرے کا رنگِ روغنِ سب جاتا رہتا ہو، اسی طرح قبر کی علامات بیان کرتا جاتا تھا اور اشکِ خوں اس کی آنکھوں سے ٹپکتے جاتے تھے۔ ایک مسخرے نے یہ بین سُن کر اپنے باپ سے کہا، باوا جان، خدا کی قسم، معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ اس میت کو ہمارے گھر لے جا رہے ہیں۔ باپ نے مسخرے سے کہا کہ ہائیں۔ ارے احمق یہ کیا بے موقع باتیں کرتا ہے، مسخرے نے جواب دیا کہ حضرت! نشانیاں جو اس نے بیان کی ہیں وہ تو سنو! یہ نشانیاں جو اس نے ایک ایک کر کے گئی ہیں، وہ یقیناً سب کی سب ہمارے گھر کی ہیں۔ ہمارے گھر میں بھی نہ بوریادی نہ چراغ ہے، نہ کھانا ہے اور نہ اس کے دروازہ ہے، نہ صحن ہے نہ کوٹھا۔

اس طرح کی قابلِ عبرت نشانیاں لوگوں کے اپنے حال میں موجود ہیں۔ مگر وہ سرکشی سے انھیں کب دیکھتے ہیں۔ وہ دل جن میں خدا کی کبریائی کی کرن نہیں پہنچی، آتش پرستوں کی جان کی طرح تاریک ہیں۔ تیرے ایسے دل سے تو قبر بہتر ہے۔ اسی شخص اپنے دل کی قبر سے باہر آ ۛ



اعرابی جس نے وزن کی خاطر گونی میں ریت بھر لی تھی

ای بات ماننے والے! بھولے پن اور پتھے پیسے پن کی ایک کہانی سن۔ ایک عربی نے اونٹ پر ایک گونی اناج کی بھری اور دوسری گونی میں ریت بھر کر اونٹ پر لاد دیا اور خود ان دونوں کے اوپر ہو بیٹھا۔ راستے میں ایک باتونی صاحب ملے اور ہمدردی سے سفر کی حضر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر پوچھا کہ کیوں میاں! دونوں گونیوں میں کیا بھر لیا ہے؟ اعرابی نے کہا کہ میری ایک گونی میں تو گیہوں ہیں اور دوسری میں ریت بھری ہے۔

پوچھا کہ آخر تو نے اس گونی کو بھرا ہی کیوں؟ جواب دیا تاکہ دونوں طرف گونیاں ہم وزن رہیں اور وزن صرف ایک ہی طرف نہ رہے۔ بولے گونی میں آدھے گیہوں نکال کر دوسری گونی میں پاستنگ کے طور پر ڈال دے، دونوں طرف وزن برابر ہو جائے گا اور اونٹ پر بھی بوجھ نہ رہے گا۔ اعرابی نے کہا کہ شاباش اے صاحبِ ہنر! ایسی عمدہ عقل اور اچھی رائے کے باوجود تو جنگل میں بے سرو سامان پیدا وہ سفر کر رہا ہے۔ اعرابی کو اس پر رحم آیا اور ارادہ کیا کہ اس کو بھی اونٹ پر بٹھالے پھر پوچھا کہ اے خوش گفتار حکیم! آپ کس حال میں ہیں بیان تو کیجیے۔ ایسی دانائی اور خوش تدبیری جو آپ میں ہے، ہونہ ہو آپ یا کہیں کے امیر یا وزیر ہیں۔ نصیحت کرنے کا کہا کہ میں تو نہ حاکم ہوں نہ وزیر بلکہ مسکین ہوں چنانچہ میری ظاہری حالت اور میرا لباس اس کا گواہ ہے۔ اعرابی نے پوچھا کہ آپ کے پاس کتنے اونٹ اور کتنی گائیں ہیں۔ جواب دیا کہ نہ یہ ہے نہ وہ ہے۔ پھر اعرابی نے پوچھا کہ آپ کیا کاروبار کرتے ہیں، کیا دوکان داری کرتے ہیں؟ کہا نہ ہمارا کہیں ٹھکانا ہے اور نہ کوئی دوکان ہے۔ اعرابی نے کہا پھر نقد و جنس گھر میں ہوگی۔ تمام عالم تانا بنا ہے اور اس کی کمی یا آپ کے پاس ہے کیوں کہ عقل و دانش کے موتی ڈھیروں آپ کے پاس ہیں۔ غالباً آپ کے گھر میں خزانوں کے خزانے ہوں گے ناصح نے کہا کہ واللہ اے امیر عرب! ملکیت میں تو ایک شب کی خوراک بھی نہیں۔ میں تو ننگے پاؤں ننگے بدن چل رہا ہوں تاکہ جو روٹی دے اس کا ہو رہوں۔ مجھے اس حکمت اور فضل و ہنر سے خیال پکانے اور دوسرے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ یہ سن کر عرب نے جھڑک کر کہا کہ چل دوڑ ہو، میرے پاس سے سرک، کہیں تیری بد نصیبی مجھ پر نہ آجائے۔ اپنے اس بد نصیبی کی دانائی کو دؤر لے جا، تیری باتیں اہل دنیا پر افلاس لانے والی ہیں۔

ایک شخص کا دعویٰ کہ خدا گناہ پر میری گرفت نہیں کرتا اور حضرت شعیب کا جواب

حضرت شعیب کے زمانے میں ایک شخص کہا کرتا تھا کہ خدا نے میرے ان گنت عیب دیکھے ہیں، اور ہوا کس قدر گناہ اور جرم دیکھے ہیں لیکن اپنے کرم کی وجہ سے میری گرفت نہیں فرماتا۔ حق تعالیٰ نے عیسیٰ آواز سے حضرت شعیب سے بطور جواب کے فرمایا کہ اے شخص تو سیدھا راستہ ترک کر کے جھل میں بھٹک گیا ہے، تو کہتا ہے کہ میں تیرے گناہوں پر گرفت نہیں کرتا حالانکہ میں تیری اس قدر گرفت کرتا رہتا ہوں کہ تو سر سے پاؤں تک زنجیروں میں گٹھا ہوا ہے مگر تجھے خبر نہیں۔ اسی سیاہ و بگ تیرا رنگ تجھی پر چڑھ رہا ہے اور اس نے تیری روح کے ماتھے کو بے نور کر دیا ہے۔ تیرے دل پر زنگ کی تمیں اس قدر چڑھ گئی ہیں کہ خدا کے بھیدوں کو دیکھنے سے تو اندھا ہو گیا ہے۔ لو ہا رجب زنگی ہو تو دھنوا اس کے چہرے کے ہم رنگ ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی رومی لو ہا رے کا پیشہ کرے تو اس کا چہرہ دھنوں سے چمت کبرا ہو جاتا ہے۔ ایسا آدمی گناہ کی تاثیر جان جاتا ہے اور گڑ گڑا کر توبہ کرنے لگتا ہے۔ جو آدمی بُرائی کرے اور اس پر اڑ جائے تو اس کی سمجھ پر خاک پڑ جاتی ہے۔ وہ کبھی توبہ نہیں کرتا یہاں تک کہ گناہ اس کے دل کو بھا جاتا ہے اور وہ شخص بے دین ہو جاتا ہے۔ اس میں شرم و ندامت کا مادہ نہیں رہتا اور وہ ساٹھ تھوں کا رنگ اس کے آئینے پر چھا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے لوہے کو بھی زنگ کا مورچہ کھانے لگتا ہے۔

جب حضرت شعیب نے یہ سیکھے اس سے کہے تو اس کے دل میں چند لطائف کھلے۔ چونکہ اس کی جان بھی دجی آسمانی سن رہی تھی، اس لیے اس نے کہا کہ اگر خدا میری گرفت کرتا تو میرا نام و نشان کیسے رہتا۔ حضرت شعیب نے بارگاہِ الہی میں عرض کی کہ ہا رہا اس یہ میری تردید کر رہا ہے اور آپ کی گرفت کا علانیہ ثبوت مانگتا ہے۔ حق تعالیٰ سے جواب ملا کہ میں عیب چھپانے والا ہوں، اس کے سبب راز نہ کہوں گا البتہ اس کی گرفتاری کی ایک

علامت بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ وہ روزے رکھتا ہے، دعائیں کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس کی جان کو ان عبادتوں سے ذرا سی بھی لذت نہیں ملتی۔ وہ بہت سکتا عبادتیں اور نیک عمل کرتا ہے لیکن اس کو مزا نہیں آتا۔ اس کی عبادت ظاہر میں پاک ہوتی ہے لیکن باطن میں پاک نہیں جیسے درخت میں اخروٹ تو بہت سے لگے ہوں مگر ان میں مغز نہ ہو۔ ذوق چاہیے تاکہ عبادت کا پھل ملے اور پھل میں مغز چاہیے تاکہ اس سے درخت پیدا ہو۔ جس طرح بے گودے کا بیج درخت نہیں بن سکتا اسی طرح بے حبان صورت محض خیال ہوتی ہے۔ جب حضرت شعیبؑ نے یہ نکتے اس کو سنائے تو سوخ، ہی سوخ میں گدھے کی طرح کچھڑ میں پھسنا کا پھسنا رہ گیا +



ایک چوہے کا اونٹ کی نکیل کھینچنا

ایک چوہے کے ہاتھ اونٹ کی نکیل لگ گئی وہ بڑی شان سے کھینچتا ہوا چلا۔ اونٹ جو تیزی سے اس کے ساتھ چلا تو چوہے کے سر میں یہ ہوا سمائی کہ میں بھی پہلوان ہوں۔ اس کے خیال کی جھلک اونٹ پر پڑی تو اس نے کہا اچھا تمھے اس کا مزا چکھاؤں گا۔ چلتے چلتے ایک بڑی ندی کے کنارے پہنچے جہاں ہاتھی بھی ڈوب جائے۔ چوہا دہاں ٹھٹک کر سرد ہو گیا۔ اونٹ نے کہا، ای جنگلوں پہاڑوں کے ساتھی! تم کیوں روک گئے اور یہ حیرانی کیوں ہے۔ آؤ مردانگی کے ساتھ ندی میں اتر دو۔ تم تو سردار اور آگے آگے چلنے والے ہو، بیچ رستے میں ٹھیر کر ہمت نہ ہارو۔ چوہے نے کہا، اس پانی کا پاٹ تو بہت چوڑا ہے مجھے اس میں ڈوب جانے کا خوف ہے۔ اونٹ نے کہا اچھا میں دیکھوں پانی کتنا گہرا ہے یہ کہہ کر ندی میں قدم رکھا اور کہا ارے اندھے چوہے! اس میں تو صرف دانو تک پانی ہے تو اس قدر حیران و پریشان کیوں ہو گیا۔ چوہے نے کہا کہ جو چیز تیرے آگے

چینوٹی پر وہ ہمارے لیے اتر رہا ہے کیوں کہ نانا نانا میں بہت فرق ہے۔ اگر پانی تیرے نانا تک ہے تو میرے سر سے گزروں اونچا ہے۔ اس وقت اونٹ نے کہا کہ خبردار دوبارہ ایسی گستاخی نہ کرنا کہیں تیرا جسم دجان اس آگ میں نہ جل جائے۔ اپنے جیسے چوہوں کے آگے تم جیسی چاہے شیخی بگھار لو مگر اونٹ کے آگے چوہا زبان نہیں ہلا سکتا۔ چوہے نے کہا کہ میں تو بہ کرتا ہوں، خدا کے واسطے اس خطرناک پانی سے میری جان بچھڑا۔ اونٹ کو رحم آیا اور کہا اچھا چڑھ جا اور میرے کوہان پر بیٹھ جا۔ اس طرح دار پار ہونا میرا کام ہے مجھ جیسے ہزاروں کوندی پار کرادوں گا۔

جب تو پیمبر نہیں تو مقررہ راستے سے چل تاکہ کنویں سے نکل کر ایک روز دولت و ثروت پر پہنچے۔ جب تو سلطان نہیں ہے تو رعیت بن کے رہ اور جب تو کشتی بان نہیں تو کشتی نہ چلا۔ تانبے کی طرح آکسیر کی خدمت کر، ایدل تو دل دار کے مزاج اٹھا۔ وہ دل دار کون ہیں، صاحبانِ دل ہیں جو آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں +



ایک پٹے صوفی کو صوفیوں کا بُرا بھلا کہنا

ایک صوفی کو تمام صوفی بُرا بھلا کہتے ہوئے شیخ کے پاس آئے اور عرض کی کہ اے پیشوا تو ہم میں اور اس میں انصاف کر۔ پوچھا کہ آخر تمہارا الزام اس پر کیا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ اس میں تین خصلتیں بہت بُری ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ہاتوئی اس قدر ہے جیسے چلتے ہوئے قافلے کا گھنٹا، دوسرے یہ کہ یہ بیس آدمیوں کی خوراک سے زیادہ ہڑپ کر جاتا ہے اور جب سونے پہ آتا ہے تو اصحابِ کھف کی طرح سوئے جاتا ہے اُٹھنے کا نام نہیں لیتا۔ یہ تین شکایتیں صوفیوں نے نون مرچ لگا کر کیں۔ شیخ

نے نفیر سے کہا کہ ہر حال میں میانہ روی اختیار کر۔ حدیث میں ہے بیچ راسن کے کام نیک ہوتے ہیں۔

جب صوفی کے جواب کی نوبت آئی تو اس نے عرض کی کہ اگرچہ بیچوں بیچ کارہستہ اختیار کرنا دانا ہی ہے لیکن بیچ بھی ایک نسبت سے قرار پاتا ہے چنانچہ ندی کا پانی اونٹ کی نسبت سے کم ہے لیکن چوہے کو وہی دریا کے برابر ہے۔ جس کا راتب چار روٹیوں کا ہو اگر وہ دو یا تین کھائے تو درمیانی مقدار ہے۔ اگر وہ پوری چار روٹیاں کھالے تو وہ درمیانی مقدار نہیں رہی، اور جس کی بھوک دس روٹیوں سے پوری ہو اگر وہ چھ روٹیاں کھائے تو سمجھو کہ اس نے درمیانی مقدار کھائی۔ میری بچاس روٹیوں کی خوراک ہے اور تجھ سے چھ روٹیاں بھی نہیں چلتیں۔ تو دس رکعت نماز میں تھک جاتا ہے اور میں پانسو رکعت پر بھی نہیں تھکتا۔ اسی طرح تو اپنی کم زوری پر مجھے نہ جانچ۔ جو چیز تیرے لیے رات ہی میرے حق میں وہی صبح کا سویرا ہوتا ہے۔



بادشاہ کا ایک درخت کی تلاش کرنا کہ جو اس کا میوہ کھائے وہ کبھی نہ مرے

ایک عقل مند نے تفتے کے طور پر بیان کیا کہ ہندوستان میں ایک درخت ہے جو کوئی اس کا پھل کھائے تو نہ کبھی وہ بوڑھا ہونہ کبھی مرے۔ ایک بادشاہ نے سن کر یقین کر لیا اور اس درخت اور اس کے پھل کا مشتاق ہو گیا۔ اپنے وزیروں میں سے ایک عقل مند کو قاصد بنا کر اس درخت کی تلاش میں ہندوستان بھیجا۔ وہ شہر شہر پھرا بلکہ نہ کوئی جزیرہ چھوڑا نہ پہاڑ نہ جنگل جس سے اس نے درخت کا پتا پوچھا اسی نے ہنسی اڑائی اور کہہ دیا کہ ایسی تلاش تو سوائے پاگل کے اور کوئی نہیں کرے گا۔ وہ ہر شخص سے برخلاف بات سنتا تھا مگر اپنی دھن چھوڑتا نہ تھا۔ برسوں ہندوستان

میں سفر کرتا رہا اور بادشاہ اس کو اخراجات بھیجتا رہا۔ جب مسافرت کی تکلیف حد سے گزری تو آخر کار درخت کی تلاش سے تنگ آ گیا کیوں کہ درخت کا پتہ نشان کہیں نہ ملا اور مقصود کی اصلیت سوائے خبر یار و ایسکے اور کچھ ثابت نہ ہوئی۔ اس کی امید کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اور جس قدر ڈھونڈا تھا وہ سب نہ ڈھونڈنے کے برابر ہو گیا۔ بھجور اور مایوس ہو کر واپس چلا تو روتا جاتا تھا اور راستہ طڑکرتا جاتا تھا۔ راستے کی ایک منزل میں کوئی شیخ بڑا عالم اور قطبِ وقت رہتا تھا۔ یہ دل شکستہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوچا میں ہر طرف سے مایوس ہو کر اس کے پاس جاؤں ممکن ہے کہ سیدھے راستے پر لگ جاؤں۔ چونکہ میں اپنے مطلب سے ناامید ہوں شاید کہ اس کی دعا میرے ہم راہ ہو جائے۔ الغرض وہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستے بادل کی طرح اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی چھری لگ گئی۔ عرض کی کہ یا حضرت یہ وقت رحم اور مہربانی کا ہے میں بالکل ناامید ہوں بس یہی گھڑی بخشش کی ہے۔ شیخ نے کہا کہ بات کو اچھی طرح کھول کر کہو کہ ناامیدی کس سبب سے ہے، تیرا مطلب کیا تھا اور میری دُھن اب کیا ہے۔ جواب میں عرض کی کہ بادشاہ نے مجھے ایک درخت کی دریافت پر مقرر کیا تھا کہ جس کا پھل آبِ حیات کا حکم رکھتا ہے۔ میں نے اس کو برسوں ڈھونڈا مگر سوائے ہمہ شما کے طعنوں کے اس کا کہیں پتہ نہ ملا۔ یہ سن کر شیخ بہت ہنسا اور کہا کہ بھلے مانس! یہ درخت علم کا ہے۔ تو درخت کی ظاہری صورت کا گمان کر گیا اس لیے شاخِ معنی سے بے نصیب رہا کہیں اس کا نام درخت ہو جاتا ہے، کہیں سورج ہو جاتا ہے، کبھی اسی کا نام سمندر ہو جاتا ہے اور کبھی بادل۔ اُس کی ہزار ہا صفات ہیں انہیں میں سے ایک صفت بقائے دوام ہے۔ ایوان! تو صورت کو کیا ڈھونڈتا ہے اس کے معانی کی تلاش کر۔ صورت ظاہر تو چمکا ہے اور معنی اس پھل کا گودا۔ نام کو چھوڑ اور گن (صفت) کو دیکھ تاکہ گن سے تجھے ذات کی رہنمائی

ہو۔ نام ہی سے مخلوقات کے آپس میں اختلاف پیدا ہوا ہے، جہاں معنی پر پہنچے کہ اختلاف جاتا رہا۔ اسی مضمون پر ایک دل چسپ مثال سن تاکہ تو ناموں ہی ناموں میں نہ اٹکا رہ جائے +



زبان نہ جاننے کی وجہ سے انگو رپر چار آدمیوں کا آپس میں جھگڑا

چار آدمی چار ملکوں کے ایک جگہ جمع تھے، کسی نے ان چاروں کو ایک درم (چاندی کا سکہ) دے دیا۔ ان میں ایک ایرانی تھا، ایک ترک، ایک رومی اور ایک عرب۔ وہ چاروں اس کے خرچ کرنے میں جھگڑنے لگے۔ ایرانی نے کہا کہ یہ جھگڑا کسی طرح طی ہو، آؤ اس درم کے انگو خرید لیں، عرب نے کہا کہ خدا کی قسم، ہرگز نہیں، میں انگو نہ لوں گا، میں تو عنب لوں گا۔ وہ جو ترک تھا، اُس نے کہا اے بد معاش! مجھے عنب نہیں چاہیے میں تو اوزم لوں گا۔ رومی (اطالوی) نے تینوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو، ہم تو اسٹافیل کھائیں گے۔ چونکہ ناموں کے معنی سے ناواقف تھے اس لیے آپس میں لڑنے لگے اور مار پیٹ کی ذہبت پہنچی کیوں کہ جمالت غالب اور عقل سے خالی تھے۔ اس موقع پر اگر کوئی ملنسار ناموں کے بھید جاننے والا دہاں ہوتا تو ان میں صلح کرا دیتا۔ وہ کہتا کہ لاؤ، میں اسی ایک درم سے تم سب کی مطلوبہ چیز خریدتا ہوں۔ اگر تم شک و شبہ چھوڑ کر اپنا دل مجھے سونپ دو تو یہی ایک درم تم چاروں کے کام آجائے۔ تمہارا ایک چارو جو جائے گا اور چار دشمنوں کو ملا کر ایک کر دے گا +

تپتے بیابان میں ایک شیخ کا نماز پڑھنا اور اہل کاوان کا حیرانہ جانا

ایک عظیم میدان میں ایک زاہد خدا کی عبادت میں مصروف تھا۔ مختلف شہروں سے حاجیوں کا قافلہ جو وہاں پہنچا تو ان کی نظر اس زاہد پر پڑی۔ دیکھا کہ سارا میدان خشک پڑا ہے، گروہ زاہد اس ریت پر جس کے بھیکے سے دیگ کا پانی اُبلنے لگے نماز کی نیت باندھے اس طرح کھڑے تھے جیسے کوئی پھلوڑی یا ہری بھری دوب میں پہنچ کر مست ہو جاتا ہے۔ وہ نماز میں اپنے پیارے سے راز کی باتیں کرتا ہوا گہری فکر میں کھڑا تھا۔ حاجیوں کی جماعت بڑے ادب کے ساتھ اس فقیر کے نماز سے فارغ ہونے تک کھڑی رہی۔ جب وہ فقیر اپنی گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ اور چہرے سے پانی ٹپک رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے کپڑے وضو سے بھیگ گئے ہیں۔ حاجیوں نے پوچھا کہ یہ پانی کہاں سے آیا؟ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ یہ سب اڈ پر سے ہے۔ پھر پوچھا کہ آیا یہ پانی جب تم چاہتے ہو مل جاتا ہے یا کبھی دعا قبول ہو جاتی ہے اور کبھی رد ہو جاتی ہے۔ اس سلطان دین ہماری مشکل کو حل کرتا کہ تیرے حال سے ہمارا یقین بڑھے اور ہم جو اسباب کی پوجا کرتے ہیں، اس بت پرستی سے نجات پائیں۔ زاہد نے آسمان کی طرف آنکھیں اٹھائیں اور کہا کہ اے باری تعالیٰ! ان حاجیوں کی دعا کو قبول کر۔ چونکہ تو نے بلندی سے مجھ پر دروازہ کھولا ہے اس لیے میں بلندی ہی سے اپنا رزق طلب کرنے کا عادی ہو گیا ہوں۔

زاہد ابھی مناجات کر ہی رہا تھا کہ دیکھتے کیا ہیں، ایک بادل کا قطر پانی ڈھونے والے ہاتھی کی طرح سرور پر چھا گیا اور پانی مشکوں اور کچھالوں بوسنے لگا۔ بادل تو مشکوں برس رہا تھا اور پیاسے حاجی اپنی اپنی مشکیں بھر رہے تھے۔ اس بیابان میں یہ کرامت دیکھ کر حاجیوں میں سے ایک گروہ نے اپنے دل کے جینو توڑ ڈالے۔ دوسری جماعت کا

ان عجائبات سے خدا کی قدرت اور اہل اللہ کی قوت پر یقین بڑھ گیا۔ تیسری
جماعت منکروں کی تھی وہ کچھ پھل کی طرح کھٹے کے کھٹے ہی رہے اور ہمیشہ
کے لیے ناقص رہ گئے۔



دفتر سوم

حضرت بلالؓ کا حق کو "ہستی" کہنا

اگر تیری گفتار ٹیڑھی ہو اور معنی سیدھے ہوں تو وہ ٹیڑھا پن مقبولِ خدا ہے۔ اگر معنی ٹیڑھے اور لفظ اچھے اچھے ہوں تو ایسے معنی کسی کام کے نہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تلفظ ٹھیک نہ تھا اور وہ اذان دیتے وقت حق کو "ہستی" پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے عرض کی کہ ایسی سب سے پہلی ابتدا اسلام میں ٹھیک نہیں۔ ایک موذن جس کا لقب دلجو درست ہو اس کام پر مقرر فرمائیے۔ دین کے آغاز میں "حق علی الفلاح" کا غلط تلفظ کرنا عیب ہے۔ حضرت پیغمبر کا غصہ تیز ہو گیا اور آپ نے ایک دو بچتے علم لدنی سے ارشاد فرمایا۔ کہ ای نالاقول! خدا کے نزدیک بلالؓ کا "ہستی" کہنا تمہارے سود فہ حق حق کہنے اور قبیل و قال کرنے سے بہتر ہے۔ مجھے زیادہ ناراض نہ کرو کہیں تمہارے سب راز اول سے آخر تک کھول کر نہ دوں۔

— (*) —

خدا کا موسیٰ کو حکم دینا کہ مجھ کو اس منہ سے بلا کہ جس سے کبھی گناہ نہ کیا ہو

اگر تو دعا کے وقت ذکرِ الہی میں مشغول نہیں رہتا تو جا صا باطن لوگوں سے دعا کرو۔ اسی واسطے حضرت موسیٰ سے خدا نے فرمایا کہ ای کلیم اللہ! ایسے منہ سے میری مدد طلب کر جس سے تو نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ موسیٰ نے کہا کہ میرا ایسا منہ کہاں تو حکم ہوا

کہ دوسروں کے منہ سے دعا کروا کیوں کہ تو نے دوسرے کے منہ سے کوئی گناہ نہیں کیا جس منہ سے تو نے کبھی گناہ نہیں کیا وہ دوسرے ہی کا منہ ہو سکتا ہے۔ تو ایسا عمل اختیار کر کہ بہت سے منہ تیرے واسطے دن رات دعائیں مصروف رہیں۔ اگر یہ ممکن نہیں تو اپنے منہ کو پاک کر اور اپنی روح کو جگا۔ خدا کا ذکر پاک ہے جہاں پاکی داخل ہوتی ہے وہاں سے نا پاکی دور ہو جاتی ہے۔ ہر چیز اپنی ضد سے بھاگتی ہے چنانچہ جب اُجالا ہوتا ہے تو رات غائب ہو جاتی ہے۔ جب نام پاک منہ پر چڑھ جاتا ہے تو نہ وہ پہلا منہ رہتا ہے نہ پلیدی رہتی ہے۔



بندۂ عاجز کا اللہ اللہ کرنا ہی عین خدا کا جواب بنا ہے

ایک شخص رات کو اللہ اللہ کر رہا تھا تاکہ ذکر سے اس کے ہونٹ شیریں ہو جائیں۔ شیطان نے اس سے کہا کہ اب گھٹل اچھ، کب تک بکواس کرتا رہے گا۔ یہ جو اللہ اللہ کی رٹ لگائی ہے تو کبھی اُدھر سے جواب بھی پایا۔ جب وہاں کوئی سنائی نہیں ہوتی تو اس مدنی صورت سے تو کب تک اللہ اللہ بیکارتا رہے گا۔

وہ بہت شکستہ دل ہوا، سر جھکا یا تو نیند آگئی۔ دیکھتا کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ارے تو نے ذکر کیوں چھوڑ دیا، کیا تو اس ذکر سے پشیمان ہو گیا؟ اس نے جواب میں عرض کی کہ مجھے ہاں کا جواب نہیں ملتا اس لیے فکر مند ہوں کہ کہیں بارگاہ کا دروازہ مجھ پر بند تو نہیں ہو گیا۔ خضر نے کہا کہ مجھ سے خدا نے ارشاد کیا ہے کہ تجھ سے کہ دوں کہ اے فریب خوردہ! تو جو اللہ کا ذکر کرتا ہے، وہ ہماری صدائے لبیک ہے تو ہے، اور وہ عجز و سوز و درد و جو تیرے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ

لبے لبیک۔ یعنی حاضر ہوں۔ جیسے کسی کے پکارنے پر "جی حاضر" کہا جائے۔

ہمارا فرستادہ ہوتا ہے۔ کیا میں نے ہی تجھے اپنے کام پر نہیں لگایا۔ اور کیا میں نے ہی تجھ کو اپنے ذکر میں مشغول نہیں کیا تیرا خوفِ خدا اور تیرا عشقِ خدا ہماری عنایت کی کندہ ہے اور تو جو یارب کہتا ہے تو ہر یارب میں ان گنت لبتیکیں چھپی ہوئی ہیں۔ جاہل کی جان اس پکا سے دور رہتی ہے کیوں کہ وہاں یارب کہنے کا دستور نہیں۔ اس کے منہ اور دل پر قفل لگے ہیں تاکہ تکلیف کے وقت یا خدا کہ کے نہ روئے ۛ



دیہاتی کا شہری کو تصنع سے دست بنانا

اگلے زمانے میں ایک دیہاتی کی کسی شہری سے شناسائی ہو گئی۔ جب دیہاتی شہر کو آتا تو ڈیرے نیچے اس شہری کے مکان کے پاس نصب کرتا۔ دو دو تین تین مہینے اس کا مہمان رہتا اور ہمیشہ اسی کی دوکان اور اسی کے دسترخوان پر ڈنار رہتا۔ زمانہ مہمانی میں جو ضرورتیں اسے پیش آتیں شہری دوست اُن کو بھی پورا کرتا۔ ایک دن دیہاتی نے شہری سے کہا کہ کیوں صاحب، آپ ہمارے گاؤ کی طرف تفریح کے لیے بھی کبھی نہیں آتے آپ کو قسم ہے، سب بال بچوں کو لے کر آئیے کہ یہ زمانہ گل بوٹوں کے کھلنے اور بہار کا ہے۔ یا اگر اب ممکن نہیں تو گرمیوں میں آئیے کہ وہ زمانہ درختوں میں خمر آنے کا ہے تاکہ آپ کی خدمت گزاری بجالاؤں۔ اپنے ملازموں، بال بچوں اور بھائی بندوں کو بھی ساتھ لائیے اور تین چار مہینے ہمارے گاؤ میں آرام کیجیے۔ موسم بہار میں جنگل بہت پر فضا ہوتا ہے، کھیتیاں لہلہاتی اور لالہ و گل سے رنگین ہوتی ہیں۔

وہ شریف شہری مردّت سے ہوں ہوں کر دیتا اور کچھ نہ کچھ بہانے سے بات ٹال دیتا کبھی کہتا کہ اس سال فلاں علاقے سے میرے ہاں مہمان آئے ہیں۔ کبھی کہتا کہ اگر سال آئندہ ضروری کاموں سے فرصت ملی تو تمہاری طرف آؤں گا مگر دیہاتی

ہر سال کلنگ کی طرح آتا اور شہری کے گھر میں آن دکھتا تھا۔ آخری مہمان داری میں شہری نے پورے تین مہینے صبح و شام کھانا کھلایا۔ دیہاتی نے اس مہمان نواز سے ذرا شہرا کر کہا کہ اجی حضرت! آخر تک آنے کے دھوکے میں رکھو گے۔ خواجہ نے کہا کہ میں تو تمہارے ہاں آنا چاہتا ہوں مگر یہاں سے سرکننا خدا کے اختیار میں ہے۔ آدمی بادبانی کشتی ہی جب چاہے وہ ہوا چلانے والا کنارے کی طرف لائے۔ دیہاتی نے کئی کئی قسمیں دے کر کہا کہ اے مہربان! ذرا اپنے بال بچوں کو لے کر وہاں کی سیر بھی دیکھو۔ ہاتھ پکڑ لیا اور زمین بارود لیا کہ ضرور ضرور آنا۔

ایک دن خواجہ کے بچوں نے کہا کہ ابا جان! چاند، بادل اور سایہ تک حرکت کرتا ہی۔ تم نے ان کی مہمان داری کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھانیں رکھی بلکہ ان کی خدمت گزاری میں تکلیفیں اور پابندیاں برداشت کی ہیں اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اگر کبھی تم اس کے مہمان ہو تو تمہارے احسانات کا بدل کرے۔ اس نے ہم سے بھی بڑی خاطر خوشامد سے کہا ہے کہ ہم ترغیب دے کر آپ کو دیہاتی کے گاؤ کو لائیں۔ خواجہ نے کہا یہ سب سچ ہی مگر عقل مندوں نے کہا ہے کہ ”اپنے احسان مند کے شر سے بچے رہو“

دیہاتی نے چالپوسی کا وہ جاں بچھایا تھا کہ خواجہ کی دور اندیشی متزلزل ہو گئی۔ خواجہ کے بچے خوشی سے پھولے نہ ساتے تھے کہ گاؤ میں پہنچ کر خوب خوب سیریں گے اور جنگل میں کھیل کود کے دل بہلائیں گے۔

قصہ خواجہ نے سفر کی تیاری کی اور گاؤ کو روانہ ہوا۔ اس کے بال بچے بھی اپنا اپنا سامان سفر متیا کر کے چل نکلے۔ خوشی کے مارے اچھلنے کودتے راستہ طحلی کر رہے تھے کہ وہاں سبزہ زار بھی ہیں اور میزبان بڑا فیاض ہے جس نے بڑی بڑی آرزوؤں سے بلوایا ہے اور ہمارے لیے یہاں سے وہاں تک بخشش کے بیج بو دیے ہیں۔ اب جاڑے کے موسم تک وہاں رہ کر شہر کو واپس آئیں گے۔

یہ قافلہ دن بھر دھوپ میں جلتا اور رات بھر ستاروں کو دیکھ کر راستہ نکالتا۔ چلا جا رہا تھا لیکن راستے کی دشواریاں گھاٹوں کو پہنچنے کی خوشی نے ہیچ کر دی تھیں۔ سب ہنستے کھیلتے جا رہے تھے اور گاؤں کی خیالی آسائشوں اور آراموں پر اس قدر دموں دیوانے تھے کہ اگر پرندے کو ادھر اڑتا ہوا دیکھتے تھے تو بے اختیار ہو کر پھولے نہ سماتے اور جو کوئی مسافر اس گھاٹوں کے ادھر آتا مل جاتا اس سے لپٹ لپٹ کر گلے ملتے اور پوچھتے کہ بھائی! ہمارے عزیز دوست کو بھی جانتے پہچانتے ہو۔ اس طرح یہ تھکا ماندہ قافلہ مہینہ بھر کی منزلیں مار کر جب اس گھاٹوں میں پہنچے تو دیکھنا! وہ دیہاتی بالکل انجان ہو گیا اور دن دہاڑے کہیں باہر چل دیا کہ شہری قافلے کی مہمان داری سے بچے۔ یہ لوگ پوچھتے گھنٹے اس کے گھر پر پہنچے اور عزمندوں کی طرح دروازے پر آئے مگر دیہاتی کے آدمیوں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور خواجہ یہ حال دیکھ کر مارے غصے کے دیوانہ ہو گیا۔ لیکن غصہ بے موقع تھا کیوں کہ گڑھے میں گر جانے کے بعد ڈانٹ ڈپٹ سے کیا حاصل۔ الغرض یہ قافلہ پانچ دن تک اس دیہاتی کے دروازے پر ٹھیرا رہا، رات بھر سردی میں ٹھہرتا اور دن بھر دھوپ کھاتا تھا۔ ان بے چاروں کا قیام نہ تھکے ماندے پن کی وجہ سے تھا نہ بے وقوفی کے سبب سے بلکہ ہاتھ میں ہائی نہ رہی تھی اس لیے حیران تھے کہ کیا کریں۔

اکثر ہوتا ہے کہ شریف لوگ بے بسی کی حالت میں کہیں بخیلوں کے دستِ نجر ہو جاتے ہیں بلکہ جب بھوک حد سے بڑھ جاتی ہے تو شیر مردار تک کھانے لگتا ہے۔ خواجہ دور سے دیہاتی کو دیکھ کر سلام کرتا اور پکار کر کہتا تھا کہ میں تمہارا دوست فلاں خواجہ ہوں۔ دیہاتی دور سے جواب دیتا تھا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا میں تو اپنی عبادت اور ادائے فرض میں ایسا محو ہوں کہ اپنی بھی سُدھ بدھ نہیں بلکہ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ زندہ ہوں یا مردہ۔ خواجہ نے کہا کہ میرے لیے یہ وقت قیامت سے کم نہیں

جس میں بھائی بھائی سے دور بھاگے گا۔ اس نے اپنی گزری ہوئی خدمتیں بتائیں اور کہا کہ میں وہی تو ہوں جس کے دسترخوان پر تم نے دونوں وقت کیا کیا نعمتیں کھائی ہیں ہماری مہمانی ازی سے ایک جہان آگاہ ہو اور کھائے پیے کی لاج ہر ایک کو ہوتی ہے۔ لیکن وہ یہی کہتا تھا کہ یہ کہا بک رہا ہے۔ نہ میں تجھے جانوں نہ تیرا نام جانوں نہ تیری مہمانی کی خبر۔

خدا کی کرنی یہ کہ پانچویں رات کو بادل گھرا آیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ آسمان سے ٹپکیاں بننے لگیں۔ جب خواجہ کی ہڈی پر چھری آن لگی تو کڑی کھٹکھٹائی اور نوکر دوس سے کہا کہ اپنے سرکار کو بلاؤ۔ جب خواجہ بہت رو یا دھویا تو وہ ظالم دروازے پر آیا اور کہا کہ کہ آخر تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ خواجہ نے کہا کہ میں نے مہمانی کے سب حقوق چھوڑے اور جو کچھ میں سمجھا تھا اُس سے بھی باز آیا۔ دھوپ اور سردی کی مصیبت میں یہ پانچ دن پانچ برس کی برابر ہم پر بھاری کئے لیکن اب بارش کی تکلیف اٹھانی دو بھر ہوگئی ہے۔ بستر بڑکے مجھے قتل کر دیجیے میں اپنا خون بخشتا ہوں ورنہ رات کی رات مینہ سے بچنے کے لیے مکان کا ایک گوشہ ہمیں دے دیجیے خداوند تعالیٰ روزِ قیامت آپ کو اس کا اجر دے گا۔ دیہاتی نے کہا صبر وہ جگہ جہاں ہمارا باغبان رہتا ہے اور بھیڑ پیسے کی بھرائی کرتا ہے وہ مل سکتی ہے۔ ہم اس کو تیر کماں دے دیتے ہیں تاکہ اگر بھیڑ یا آئے تو اس کو مارے۔ اگر تو یہ خدمت بجالاتے تو جگہ حاضر ہو ورنہ کوئی دوسرا گھر ڈھونڈ لے۔ خواجہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ ایسی ایسی سو خدمتیں بھی انتخاب دینے کو میں حاضر ہوں، لائیے وہ تیر کمان مجھے دے دیجیے۔ آپ کے مویشی اور انگوروں کی پاسبانی ساری رات میں کروں گا اور اگر بھیڑ پیسے کی بھنگ بھی پڑ جائے تو اسی نشان پر تیر ماروں گا۔ غرض اس قرارداد پر باغ کا ایک کونہ خالی تھا اس میں وہ بال بچوں سمیت چلے گئے۔ دیکھا کہ جگہ اس قدر تنگ ہے کہ ادھر سے ادھر اکنے کی گنجائش نہیں اور برساتی پانی اس میں بھی گھس رہا تھا، وہ سب ٹڈیوں کی طرح ایک پر ایک وہیں سما گئے۔ رات بھر یہی کہتے رہے کہ اے خدا! جو ذیلیوں سے دوستی کرے اور نالافتوں سے شرافت کے ساتھ

پیش آئے اُس کی یہی سزا ہے۔ بہر حال وہ شہری تیر کمان ہاتھ میں لیے رات بھر باسبانی کرتا رہا۔ ادھر اس کال کوٹھری میں ہر مچھڑ اور پتو بھیڑیا بنا ہوا تھا اور زخم پر زخم لگا رہا تھا بھیڑیے کے آجانے کے خوف سے اس بے چارے کو مچھڑ اڑانے کی بھی مہلت نہ تھی کہ کہیں بھیڑیا آکر کوئی نقصان پہنچا دے اور وہ دیہاتی آکر ڈاڑھی نوچ ڈالے۔ آدھی رات تک دانتوں میں اُمٹھلی پکڑے باغ کا چنہ چپتہ دیکھتا رہا، مارے تھکن کے سانس نات سے ہونٹوں پر آتا تھا۔ اتفاقاً بھیڑیے کی شکل کے ایک جانور نے دانتوں کی باڑ میں سر نکالا خواجہ نے فوراً تیر کو پھلے پر چڑھا کر ایسا نشانہ لگایا کہ وہ جانور وہیں اُلٹ کر گرا۔ وہ جانور جو گرا تو اس کا گوز نکل گیا اور اس کی آواز دیہاتی نے سنی۔ وہیں ہائے کا نعرہ مارا اور سر پٹینے لگا۔ اور کہا کہ ارے نامعقول یہ تو میرا بھینچا تھا۔ خواجہ نے کہا نہیں وہ بھیڑیا شیطان کی طرح چھپواں آیا تھا۔ دیہاتی نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ میں اس کے گوز کی آواز کو خوب پہچانتا ہوں۔ تو نے یقیناً میرے بھیرے کو عین سبزہ زار میں مار ڈالا۔ خواجہ نے کہا کہ آپ اچھی طرح تھمتن کر لیں کیوں کہ رات کی اندھیری میں کوئی چیز سوچھا نہیں کرتی اور یہ رات تو گھٹا اور مینہ کی وجہ سے اور بھی تاریک ہے، لیکن یہ کہ مجھے غلط نظر آیا ہو۔ دیہاتی نے کہا کہ تجھ پر رات تاریک سہی مگر چونکہ اپنی گدھی کے بھیرے کی ہر آواز پہچانتا ہوں اس لیے یہ رات مجھ پر روز روشن کی مانند ہے۔ یہ سنتے ہی خواجہ ہلپلا اٹھا اور دیہاتی کے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور کہا ابے بناوٹی بھولے تو نے بڑی چال کھیلی جیسے کسی نے بھنگ اور افیون ملا کر استعمال کی ہو، جبکہ تو اس اندھیرے میں بھیرے کے گوز کی آواز کو پہچانتا ہے تو مجھے کیسے نہیں پہچانتا جو شخص آدھی رات کی اندھیری میں اپنے بھیرے کو پہچان لے وہ دس برس کے قدیم دوست کو شناخت نہ کرے۔ تو دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اپنی بھی خبر نہیں اور میرے دل میں سوائے خدا کے کچھ نہیں اور تو کہتا ہے کہ جو کچھ کل میں نے کھایا تھا وہ تک یاد نہیں۔ ایسی بے خودی کے عالم میں مجھے جان پہچان ہے معاف کرو۔ تو نقیری اور بے خودی کی بڑیں ہانکتا تھا اور عاشقانِ خدا

کی سی باتیں بناتا تھا کہ مجھے زمین و آسمان میں تمیز نہیں کہ غیرتِ خدا نے میری آزمائش کرادی کہ تیرے بھیرے کے گوزنے تجھے رسوا کر دیا اور بے خودی کا راز افشا کر دیا۔ خداوند تسالے دھوکے اور فریب کو اسی طرح رسوا کیا کرتا ہی اور بھاگے ہوئے شکار کو یوں ہی گرفتار کراتا ہی۔ اسے بے وقوف ایسی مستی مت کر کہ جب تو ہوش میں آئے تو پیشانی ہو بلکہ ان مستوں میں شریک ہو کہ جب وہ مچھینے ہیں تو بڑے بڑے عقل مندان کی باتوں اور حرکتوں پر عرشِ عش کرنے ہیں +



مجنون اور لیلیٰ کی گلی کا کٹیا

مجنون ایک کتے کی بلائیں لیتا تھا، اس کو پیار کرتا تھا اور اس کے آگے بچھا جاتا تھا۔ جس طرح حاجی کہیے کے گرد پچی نیت سے طوفان کرتا ہی اسی طرح مجنون اس کتے کے گرد پھر کر صدقے قربان ہو رہا تھا۔ کسی بازاری نے دیکھ کر آواز دی کہ ای دیوانے یہ کیا پاکھنڈ تو نے بنا کر رکھا ہی۔ کتے کا بچہ ہمیشہ غلاظت کھاتا ہی اور اپنے چوڑوں کو اپنی ہی زبان سے چاٹا کرتا ہی۔ اسی طرح کتے کے ہمت سے عیب اس نے گنائے کیوں کہ عیب دیکھنے والا غیب کی بھنگ بھی نہیں پاتا۔ مجنون نے کہا کہ تو ظاہری صورت کا دیکھنے والا ہی ذرا گہرائی میں اتر اور میری آنکھوں سے اسے دکھ کہ یہ میزے مالک کی محبت میں گرفتار ہی یعنی کوچہ لیلیٰ کا نگہبان ہی۔ ذرا اس کی ہمت اور اس کے انتخاب پر تو غور کر کہ اس نے کس مقام کو پسند کیا ہی۔ وہ جگہ جو میرے دل کا چین ہی یہ اس جگہ کا مبارک کتا ہی۔ وہ میرا ہمدرد اور بھینس ہی۔ جو کتا لیلیٰ کے کوچے میں رہ گیا اس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بھی افضل ہی۔ میں شیر کو اس کے ایک بال برابر بھی نہیں سمجھتا۔

اسی لیے دوستو! اگر صورت سے نظر اٹھا لو اور معنی میں پہنچ جاؤ تو وہاں جنت

ایک گیدڑ کی شیخی جو رنگ کے نندولے میں گر پڑا تھا

وہم کی لذت سے تو اپنا دل اس طرح خوش کر لیتا ہے جیسے کوئی شخص بھونک کر اپنی مشک کو پھلے حالانکہ وہ پھولی ہوئی مشک سوئی کے ایک چھید میں ہو اسے خالی ہو جتی ہے۔ یہ حکایت سنو کہ ایک گیدڑ رنگ کے نندولے میں گر پڑا اور ایک گھنے ٹنک اسی میں پڑا رہا۔ جب نکلا تو دیکھا کہ اس کی کھال رنگین ہو گئی ہے یہ دیکھ کر کہنے لگا کہ اوہو! میں تو مور ہو گیا۔ اس کے رنگین بال بہت خوب صورت ہو گئے اور دھوپ میں بالوں کا رنگ اور بھی چمکنے لگا۔ اس نے جو دیکھا کہ سرخ، سبز، عنبی اور زرد سب قسم کے رنگوں سے رنگین ہے تو دوسرے گیدڑوں کے سامنے پہنچا اور اترا نہ لگا۔ سب نے کہا اے گیدڑے یہ تیرے کیا سر میں سمائی ہے کہ اپنے کو اونچا کھینچ کر ہم سے الگ ہو گیا۔ یہ غرور تو نے کہاں سے پیدا کیا؟ تو جوش میں تو آ گیا مگر گرمی کا نام نہیں۔ تو نے تو کرسٹ بے شری کا جال پھیلا یا ہے۔ اس رنگے ہوئے گیدڑ نے ملامت کرنے والے کے کان میں کہا مجھے اور میرے رنگوں کو دیکھو تو سہی کہ بت خانوں میں ایک صنم بھی اتنا خوب صورت نہیں۔ اے گیدڑو! اب تم مجھ کو گیدڑ نہ پکارو بھلا گیدڑ کو یہ حسن و جمال کہاں نصیب؟ سارے گیدڑ اس کے اطراف جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ اے صاحب کمال! ہم تجھے کیا پکاریں۔ اس نے کہا کہ میرا نام مور ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مور تو باغوں میں بہار دکھاتے ہیں تو کہا تو بھی باغوں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں میں جنگل ہی میں نہیں ناچتا تو باغ کا کیوں کرا قرار کروں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ آیا تو مور کی سی آواز نکال سکتا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ گیدڑوں نے کہا کہ اے احمق پھر تو کیوں کرا رہا ہے؟

مور کا رنگ برنگی خلعت قدرت سے اسے ملتا ہے، نقطہ کمال رنگ لینے سے تمہ
میں مور کے اوصاف کہاں سے آجائیں گے ؟ *



ایک شیخی خورے کا ہونٹ اور موچھوں کو چربی چکینا

سچائی اور جوش اولیاء کا شعار ہے اس کے مقابل دنیا بازوں کی ڈھال بے شرمی
ہی۔ مخلوق خدا کو اپنے دام میں گرفتار کرنے کے لیے ظاہر کرتے ہیں کہ ہم بالکل خوش
اور بے فکر ہیں۔ دراصل حالیکہ ان کا باطن سراسر پریشان ہوتا ہے۔

ایک سفلی شخص کو ڈوبے کی چکنی کا متکا مل گیا۔ روزانہ صبح کو اس سے اپنی مچھیں
چکنی کر کے تاؤ دینے لگا۔ وہ امیروں میں جا بیٹھتا اور کہتا کہ آج خوب مرغن چیزیں
کھانے میں آئیں اور ثبوت میں موچھوں پر تاؤ دیتا تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھو موچھیں
تک چکنی ہو رہی ہیں۔

وہ تو اپنی دولت مندی کا دعویٰ کرتا اور اس کا مدعا موچھوں پر لعنت ملاست
بھیجتا تھا کہ اے خدا ان کینے شیخی جتانے والوں کی قلعی کھول دے کہ شاید کوئی خدا کا سخی
میری بھوک دور کرے۔ آخر خدا نے پیٹ کی فریاد سن لی اور ایک روز ایک بتی
چربی کا وہ متکا لے اڑی۔ گھر کے لوگ بتی کے پیچھے دوڑے مگر وہ ہاتھ نہ آئی۔

باپ کی منگلی کے ڈر سے بچے کا چہرہ فٹ ہو گیا۔ اس نے بھری مصل میں آکر شیخی خور
باپ کی عت خاک میں ملا دی۔ یعنی اس نے کہا کہ وہ چربی کا متکا جس سے آپ ہر صبح
کو ہونٹ اور موچھیں چکنا یا کرتے تھے اس کو بتی لے گئی۔ ہم نے ہتیرا اس کا پیچھا
کیا مگر ناکام رہے۔ وہ شیخی باز اس وقت بھی بیٹھا ڈینگیں ہانک رہا تھا۔ یہ جو سنا
تو رنج کے مارے دم بچو دہو گیا۔ وہ بھری مصل میں اس قدر شرمندہ ہوا کہ سر جھکا کر

خاموش ہو رہا اور پھر زمانہ نہ ہلائی۔ اہل مغل کو بڑی حیرت ہوئی کچھ ہنسی بھی آئی۔ مگر دولت مندوں نے اس کے حال پر رحم کھایا اور پھر وہ اس کی دعوتیں کر کے اس کا پیٹ بھرنے لگے۔ جب اس نے اہل کرم کے برتاؤ سے سچائی کی لذت پائی تو سب سے بڑھ کر ترک کر کے سچائی کا غلام ہو گیا۔ پس تو بھی سچائی اختیار کرنا کہ دونوں عالم میں نیک نام رہے +



ایک سنپیر کا ٹھہرے ہو اژدہ کو بعد میں لانا

جو غور فرعون میں تھا وہ تجھ میں بھی موجود ہے لیکن تیرے اژدہ کوئیوں میں بند ہیں۔ کتے ہیں ایک سنپیر پہاڑ پر سانپ پکڑنے گیا وہ برف باری کے زمانے میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا کہ اس نے ایک بہت بڑا مردہ اژدہ دیکھا جس کے دیکھے سے اس کا دل خوف زدہ ہو گیا۔ سنپیر اتو نادان عوام کو حیران کرنے کے واسطے سانپ پکڑا کرتا ہے۔ اس نے مردہ اژدہ اٹھایا اور شہر بغداد میں اس کا تماشا دکھانے لایا۔ اژدہ کیا تھا، پورا ستون کا ستون تھا۔ اُسے باندھ کر کھینچتا ہوا لایا اور پکارا کہ میں ایک مردہ اژدہ لایا ہوں۔ اس کے شکار میں نے اپنی جان جو کھوں میں ڈال دی تھی۔ وہ تو اس کو مردہ گمان کرتا تھا لیکن دراصل اژدہ زندہ تھا۔ وہ سردی اور برف باری سے ٹھہر گیا تھا اور مردہ دکھائی دیتا تھا۔ القصۃ ایک تالاب کے کنارے اس نے پکارنا شروع کیا جس سے شہر بغداد میں یہ خبر پھیل گئی کہ سنپیر ایک اژدہ لایا ہے اور بہت نادر قسم کا ہے جو آج تک نہ دیکھا گیا اور نہ سنا گیا۔ ہزاروں بے وقوف جمع ہوئے۔ سنپیر انتظار میں تھا کہ اور زیادہ خلقت جمع ہو جائے تو دکھائے کیوں کہ جس قدر لوگ زیادہ ہوں پیسے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ غرض خلقت

کا اژدہا اس قدر ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ یکا یک اژدہے نے اپنا منہ کھولا پھر تو دیکھنے والوں کا مارے دہشت کے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ اژدہا برف سے ٹھٹھا ہوا تھا اور بہت سے ٹماٹ کے ٹکڑوں اور پردوں میں چھپا ہوا تھا اور رسیوں میں بندھا ہوا تھا۔ ایک طرف تو لوگوں کے جمع ہونے میں دیر ہوئی اور لوگوں نے غل غپاڑا مچایا۔ دوسری طرف ملک عراق کا گرم آفتاب چمکا۔ اس گرمی سے وہ اژدہا جو بسنکا اور اُس کے جوڑ بند کھلے تو وہی مردہ اژدہا زندہ ہو کر رینگنے لگا۔ یہ دیکھ کر خلقت میں چیخ وھاٹ اور ایک دم بھاگ پڑ گئی۔ اس نے ساری رستیاں توڑ ڈالیں اور بڑی زبردست سرسراہٹ کی آواز کے ساتھ ہر طرف پھرنے لگا۔ وہ بالکل قبضے سے باہر ہو گیا اور شیر کی طرح غزایا۔ اس بھاگ میں اس قدر محنت و کجلی گئی کہ بہت سے لوگ مر گئے۔ ادھر سپیرے کے مارے خوف کے ہاتھ پیر پھول گئے اس نے اپنے جی میں کہا کہ ہائیں! میں پہاڑیوں میں سے یہ کیا اٹھالایا اس اندسے بھیڑیے کو میں نے ہشیا کر دیا اور اپنے ہاتھوں اپنی موت بلائی۔ اتنے میں اژدہے نے اس کا لقبہ کیا اور ننتے کا کھا جانا کیا بڑی بات ہے۔ اس کے بعد اژدہے نے ایک ستون سے اپنے کو لپیٹا اور ایسا ایک بل کھایا کہ اس سپیرے کی ہڈیاں تک چورا چورا ہو گئیں۔

تیرا نفس بھی اژدہا ہے یہ ہرگز مردہ نہیں بلکہ بے سرو سامانی کی وجہ سے ٹھٹھا ہوا ہے۔ فرعون جس کے حکم سے دریا کا پانی رواں ہوتا تھا، اگر وہی قدرت و حکومت سمجھ کوئل جائے تو تو بھی ایسی فرعون کی کرے گا کہ سوموئے اور سوہارون پر پچھا پامارے گا۔

لوگوں کا اندھیری رات میں ہاتھی کی شناخت سے اختلاف کرنا

ایسے دیکھنے والے، کافر و مومن و بت پرست کا فرق الگ الگ پہلو سے نظر ڈالنے کے باعث ہی تو ہے۔

کسی غیر ملک میں اہل ہند ایک ہاتھی دکھانے لائے اور اسے بالکل تاریک مکان میں باندھ دیا۔ لوگ باری باری سے آئے اور اس اندھیرے گھر میں داخل ہوتے وہاں صاف کچھ نظر نہ آتا تھا اس لیے ہر شخص اس کو ہاتھ سے ٹوٹتا تھا جس کا ہاتھ سوئڈ پر پڑا اُس نے کہا کہ ہاتھی نلوے جیسا ہے اور جس کا ہاتھ کان پر پڑا اس نے جانا کہ وہ پنکھے جیسا ہے اور جس کا ہاتھ پیر پر پڑا اُس نے کہا کہ وہ ستون جیسا ہے اور جس کا ہاتھ اس کی پیٹھ پر پڑا اُس نے کہا کہ ہاتھی تو تخت کی مانند ہے۔ اسی طرح ہر شخص جانتا تھا کہ بس ہاتھی ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے ٹوٹل کر جانا ہے۔ ہر ایک کی ٹوٹل جُدا تھی۔ اس لیے کسی نے دال کہا اور کسی نے الف۔ اگر ہر شخص کے ہاتھ میں شمع ہوتی تو سب کا اختلاف مٹ جاتا۔ آنکھوں کی بینائی بھی ہاتھ کی مانند ہے کہ ہاتھ پورا ہاتھی معلوم کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ دریا کا پاٹ اور دریا کے جھاگ دوسری چیزیں ہیں۔ تجھے چاہیے کہ جھاگ سے نظر ہٹائے اور آنکھوں سے دریا کو دیکھے۔ رات دن دریا سے جھاگ اُٹھتے ہیں تو انھیں دیکھتا ہے مگر تعجب ہے کہ دریا کو نہیں دیکھتا۔



کنعان کا نوح کے بلانے کو نہ ماننا

جب تک کہ روح تیرے لیے خود نہ بول اُٹھے تو زبان نہ بلا، نوح کی کشتی میں بیٹھ اور اپنا تیرنا چھوڑ جیسے کہاوت ہے کہ کنعان جو بڑا تیراک تھا کہنے لگا کہ نوح ہمارا دشمن

ہو، ہمیں اس کی کشتی نہیں چاہیے۔ بہتیرا نوح نے کہا کہ آہمارے ساتھ کشتی میں بیٹھنا کہ طوفان میں غرق ہونے سے بچ سکے۔ مگر کنعان نے جواب دیا کہ میں تیرنا جانتا ہوں، میری شمع میرے ساتھ ہی تیری شمع کی کیا پروا۔ نوح نے کہا ہائیں ایسا نہ کر، یہ طوفان ایک بلا ہو۔ ساری تیرا کی رہ جائے گی۔ ہاتھ پیرشل ہو جائیں گے۔ ہوا کے جھکڑ سب شمعوں کو بجھا دیں گے۔ اس میں سوائے حق کی شمع کے اور کوئی روشن نہ رہ سکے گی۔ کنعان نے کہا کہ میں اونچے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور پہاڑ ہرطنیانی سے محفوظ ہے۔ نوح نے کہا خبردار ایسا نہ کرنا۔ وہ پہاڑ بھی اس موقع پر گھانس کی ایک پتی کے برابر ہے اور خدا سوائے اپنے دوستوں کے اور کسی کو نجات نہ دے گا۔ کنعان نے کہا کہ میں نے آج تک تیری نصیحت کب سنی تھی کہ تو اب میرے نصیحت ماننے کی امید کرتا ہے۔ مجھے ہرگز تیری بات پسند نہیں آئی، میں دونوں جہان میں تجھ سے الگ ہوں۔ نوح نے کہا کہ اے فرزند اس وقت ضدی مت بن یہ موقع اڑ کرنے کا نہیں ہے کیوں کہ خدا کا نہ کوئی رشتہ دار ہے نہ کوئی برابری والا۔ تو نے جو کچھ کیا سو کیا مگر یہ وقت نازک ہے، اس بارگاہ میں کس پر کون ناز کر سکتا ہے۔

الغرض وہ اس طرح نصیحتیں کرتا اور اسے بلاتا رہا اور سخت جواب سنتا رہا نہ ہاں نصیحت سے باز آیا نہ اس بد بخت نے کوئی بات مانی۔ یہ دونوں ان ہی باتوں میں تھے کہ ایک تیز موج آئی اور سوکھے پتے کی طرح کنعان کو بہا کر رینہ رینہ کر دیا۔ نوح نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی اور حیم و کریم بادشاہ میرا گدھا مر گیا اور تیری موج میری کھلی کو بہالے گئی۔ تو نے تو مجھ سے بارہ وعدہ کیا کہ میرے لوگ طوفان سے بچے رہیں گے۔ ارشاد خداوندی ہوا کہ وہ تیرے لوگوں میں سے نہ تھا۔ تجھے خود سفید اور نیلے میں

تیز نہیں رہی۔ جب تیرے دانت میں کیڑا لگ جائے تو اس دانت سے ہاتھ دھو اور اس کو آگھڑوادے۔ اگرچہ وہ دانت تیرا ہی تھا مگر تو اس سے بیزار ہو جاتا کہ تیرا ہاتھی

جسم اس دانت سے درد مند نہ ہو جائے۔ نوح نے عرض کی کہ میں تیری ذات کے سوا
غیر سے بیزار ہوں اور وہ کون غیر ہے جو تجھ سے نہ ہارا ہو۔ تو خود جانتا ہے کہ تیرے ساتھ
میرا کیا حال ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ اگر نوح اگر تو سب کو دوبارہ پیدا کرانا چاہے تو ابھی زمین سے
اٹھا دوں گا۔ ایک کنگان کے لیے میں تیرا دل نہیں توڑوں گا۔ لیکن اس کے احوال سے
تجھے آگاہ کرتا ہوں۔ حضرت نوح نے عرض کی کہ نہیں نہیں اگر تجھے منظور ہو تو مجھے بھی غرق
کردے میں راضی ہوں۔ اگر تو مجھے مارے گا تو وہ موت ہی میری جان ہو جائے گی۔ میں
تیرے سوا کسی کو نہیں دیکھوں گا۔

خدا کی صنعت کا دل دادہ صاحبِ عزت ہوتا ہے مگر جو بنی ہوئی چیز پر فریفتہ
ہو وہ کفر کی ذلت میں مبتلا ہو جاتا ہے +



حیرت کا غلبہ بحث و فکر کو روکتا ہے

ایک کچھڑی ڈاڑھی کا ادھیڑ آدمی حجام کے ہاں آیا اور کہا کہ میری ڈاڑھی سے
سفید بال چُن دے کہ میں نے نئی شادی کی ہے۔ خاص تراش نے پوری ڈاڑھی مونڈ کر
سامنے رکھ دی اور کہا کہ میاں! آپ ہی اپنی مرضی کے مطابق چُن لو مجھے فرصت نہیں۔

اس سوال و جواب کا مطلب یہ ہے کہ دین دار آدمیوں کو باریکیاں تراشنے کی فرصت

نہیں ہوتی۔

ایک شخص نے زید کے چائنا رسید کیا، زید نے بدل لینے کو حلقہ کیا۔ چائنا مارنے
والے نے کہا کہ میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں اس کا جواب دے پھر جتنا چاہے مارے
میں نے جو تیری گتدی پہ چائنا مارا تو طراق سے آواز آئی، تو یہ بتا کہ یہ آواز میرے ہاتھ

کی تھی یا تیری گتدی کی۔ اس نے جواب دیا کہ درد اور تکلیف سے اتنی فرصت کسے ہو کہ آواز پر غور کرے۔ تجھے کوئی تکلیف نہیں ہو تو سو پختا رہ۔ جو درد میں مبتلا ہوتا ہے اس کو ایسی فکریں نہیں ہوتیں۔ چاہے مسجد میں جا کر دیکھ اور چاہے بُت خانے میں۔ جو درد مند ہو اس کو دوسری فکر نہیں ہوتی۔ تیری بے دردی اور غفلت ہی فکر پیدا کرتی ہے۔



کسی چاہنے والے کا اپنے مطلوب کے سامنے خط پڑھنا

ایک شخص کو معشوق نے اپنے سامنے بلا کر بٹھایا، اس نے جیب سے خط نکال کر معشوق کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔ اس خط میں بہت سے اشعار، معشوق کی مدح و ثنا، اپنی بے تابی و بے قراری، سب عزیزوں و دوستوں سے بیزارگی، معشوق سے دوری اور ہجر کی تکلیف، اپنے پیغام اور پیغامبر کا ذکر پوری تفصیل سے تھا۔ یہ عشقیہ مضمون دیر تک پڑھتا رہا۔ معشوق نے کہا کہ اگر یہ خط تو مجھے سننا رہا ہے تو وصل کے موقع پر اپنی عمر ضائع کر رہا ہے۔ میں تیرے سامنے موجود ہوں اور تو خط پڑھنے میں مصروف ہے۔ یہ چال ڈھال عاشقوں کی نہیں۔ اس نے کہا کہ اگرچہ تو موجود ہے لیکن میں نے اگلے سال جو توجہ تیری دیکھی تھی وہ اس وقت نہیں ہے۔ اب میں چشمہ تو دیکھ رہا ہوں مگر اس میں پانی نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چشمے تک پہنچنے کا راستہ ڈاکوؤں نے روک لیا ہے۔ معشوق نے کہا کہ بس تو میں تیرا معشوق نہیں، میں بلغاریہ ہوں اور تیری مراد خراسان میں ہے۔ تو مجھ پر عاشق ہے اور میرے حال پر بھی عاشق ہے درآں حالیہ حال تیرے اختیار میں نہیں۔ پس فقط میں تیرا مقصود نہیں ہوں لہذا میں میرا معشوق نہیں بلکہ معشوق کا گھر ہوں۔ حالانکہ عشق اصل چیز سے ہوتا ہے اس کے صندوق سے نہیں ہوتا۔



ایک شخص کا بے محنت روزی حلال طلب کرنا

ایک شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں روزانہ یہ دعا کرتا تھا کہ اے خدا مجھے بے محنت روزی عطا کر۔ جب تو نے مجھے کاہل، بیمار اور ناکارہ پیدا کیا ہے تو زخمی پیٹھ کے گدھوں پر گھوڑوں اور اونٹنوں کا بوجھ نہیں لادا جاسکتا۔ مجھے بے محنت و مشقت غیب سے ایسی روزی دے کہ میں سوائے تجھ سے مانگنے کے اور کوئی کوشش نہ کرنے پاؤں۔

بہت دن تک برا بر یہی دعا کرتا رہا۔ مخلوق اس کی لا حاصل طمع اور خدا سے زور اوروری کرنے پر ہنستی تھی۔ کہ یہ لمبی ڈاڑھی والا کیا یہودہ بچتا ہے، کسی نے اسے بھنگ تو نہیں پلا دی۔ روزی حاصل کرنے کا طریقہ تو محنت و مشقت ہی ہے۔ اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا۔

اس زمانے کے بادشاہ اور پھنبر حضرت داؤد علیہ السلام تھے جو بڑے صاحبِ کمال تھے لیکن ایسی شان و شوکت اور خداری کے باوجود خدا نے ان کی روزی محنت و مشقت پر منحصر کی تھی۔ جب تک کہ آپ زرہ تیار کرنے کی تکلیف نہ اٹھاتے آپ کو روزی میسر نہ آتی تھی۔ اس پر بھی ایک معمولی بکٹا آدمی حاقت سے یہ چاہے کہ بغیر محنت و تجارت روپے سے دامن بھر لے ایسا خزانہ تو دنیا میں کسی کو نہیں ملا، بھلا آسمان پر بے سیڑھی کے کون چڑھا۔ کوئی مذاق سے کہتا کہ ہمیں خوش خبری مل چکی جا اور اپنا خزانہ لے لے۔ کوئی کہتا کہ حضرت اگر خزانہ ہاتھ لگے کچھ ہمیں بھی دینا۔ لیکن وہ دھن کا پتکا لوگوں کے طعن و مذاق اڑانے سے اپنی دعا اور گڑبگڑ انا کم نہ کرتا تھا۔ جب اس نے دعاؤں کا تار باندھ دیا تو آخر اُس نے جو سب کی سنتا اور مڑا دیں بر لاتا ہے دعا سنی۔ چاہے دعا ناگوار ہو اور چاہے جلد بازانہ ہو لیکن آخر کار مانگنے والا ضرور پاتا ہے۔

ایک دن صبح سویرے بہت ہی آہ وزاری سے وہ شخص اپنی وہی دعا رٹ رہا تھا کہ
 یکا یک ایک گائے نے سینگ مار کر دروازہ توڑ ڈالا اور گھر میں گھس آئی۔ گائے تو
 بے جھجکے اس کے گھر میں آ پہنچی اور اس نے اٹھ کر اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور
 اس کے بعد بلا تامل اسے ذبح کر کے فوراً قصاب کے پاس لے گیا تاکہ اس کی کھال
 پھیل کر صاف کر دے۔ گائے کے مالک نے بھی دیکھ لیا اور چلا یا کہ ہاتیں سپری
 گائے تو بدک کر نکل گئی تھی۔ بتا تو نے اسے کس طرح مار ڈالا۔ ارے بھولے بد معاش
 چل عدالت میں فیصلہ ہو گا۔ اس نے کہا کہ میں خدا سے بے محنت روزی طلب کرتا تھا
 اور کس کس عاجزی منت سے دعا کرتا تھا۔ برسوں سے سپر اکام دعا مانگتا تھا یہاں تک
 کہ خدا نے میرے پاس گائے بھیج دی۔ جب میں نے گائے دیکھی تو جمعٹ کھڑا ہو گیا
 چونکہ وہ میرا رزق تھا، میری مدتوں کی دعا قبول ہوئی اور مجھے روزی بے محنت ملی اس
 لیے میں نے اس کو ذبح کر ڈالا، بس یہ جواب ہے۔ گائے کا مالک مارے غصے کے لال
 پیلا ہو گیا۔ اس کا گریبان پکڑا اور منہ پر چند گھولے لگائے اور اس کو داؤد نبیؑ کے پاس
 پکڑ کر لے چلا کہ اے عالم چل تجھے اپنے کیے کی سزا دلاؤں۔ ارے دعا باز یہ دعا دعا کیا بچتا
 ہے اس نے کہا کہ میں نے بہت دعائیں مانگی ہیں اور اس خوشامد میں مدتوں اپنا خون آپ
 پایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری دعا قبول ہوتی ہے۔

مالک نے چیخنا شروع کیا کہ اے مسلمانو! ذرا یہاں آؤ اور اس کی بکواس تو سنو۔
 یہ دعا مانگ کر میرا مال ہٹ پ کرنے کا حق جاتا ہے۔ اگر عالم میں یہی قانون ہوتا تو خالی دعا
 کرنے والے دولت دنیا کے مالک ہو جاتے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو سارے اندھے نقیر
 دولت مند امیر بن جاتے۔ وہ تو رات دن یہی دعا کرتے رہتے ہیں کہ یا الہی تو ہم کو بے
 اندھوں کی محنت و مشقت سوائے گڑ گڑا کر دعا مانگنے کے اور کیا ہے، لیکن بھیک میں سوائے
 پانی اور روٹی کے انھیں اور کیا ملتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ مسلمان ٹھیک بات کہتا ہے اور یہ

دعا فروش ظالم ہے۔ ایسی ایسی دعاؤں سے کوئی دولت مند کیسے ہو سکتا ہے اور ایسا فعل شریعت کی حدود میں کیوں کر آسکتا ہے۔ کوئی شخص کسی چیز کا مالک اسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ یا خریدے یا بھیک سے حاصل کرے یا وصیت میں پائے یا کوئی خوشی سے دے دے۔ پس یا تو گائے واپس دو یا قید خانے کی سیر کرو۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ کر کہتا تھا کہ اے رحیم و کریم میں نے بتوں اسی آرزو میں دعائیں کی ہیں اور سوائے تیرے ان سے کوئی واقعہ نہیں۔ تو ہی نے میرے دل میں دعا ڈالی، سینکڑوں میدوں کے چراغ روشن کیے۔ میں نے وہ دعائیں خالی خالی نہیں کی تھیں بلکہ یوسف کی طرح کہتے ہی خواب دیکھے تھے۔ اس دعا باز نے مجھے اندھا کہا ہے، اے خدا یہ اس کا تپا س اہلیسا نہ ہے۔ بھلا میں نے اندھے پن سے دعا کب کی ہے۔ میں نے تو سوائے خدا کے کسی سے بھیک نہیں مانگی۔ اندھا تو اپنی نادانی کی بنا پر مخلوق سے سوال کرتا ہے مگر میں نے تو تجھ سے سوال کیا کہ تجھ پر ہر دشوار آسان ہے۔ مخلوق میرے بھید کو نہیں پہچانتی اور میری بات کو یہودہ جانتی ہے۔ وہ بھی سچ کہتی ہے کیوں کہ سوائے بھید کے جاننے والے اور عیبوں کو چھپانے والے کے اور دوسرا کون ہے کہ غیب داں ہو۔

دعی نے کہا کہ اے میری طرف دیکھ اور سچ سچ کہ یہ آسمان کی طرف کیا دیکھتا ہے۔ یہ کیا پاکھنڈ بنا یا ہے۔ دھوکے سے اپنی خدا سی جتا رہا ہے۔ جب تیرا دل ہی مردہ ہے تو کس مُنہ سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ الغرض سارے شہر میں ہلکم پچ گئی اور اس دعا کرنے والے نے زمین پر سجدے میں سر رکھ دیا۔ کہ اے خدا اس بندے کو بدنام نہ کر، اگر میں بُرا بھی ہوں تو میری بُرائی کو فاش نہ کر۔ تو جانتا ہے کہ طویل طویل راتوں میں کس کس عجز و زاری کے ساتھ تجھے پکارتا ہوں۔ اگر میری عبادت کی قدر مخلوق کو نہیں تو نہیں سہی مگر تجھ پر تو روشن ہے۔ اے خدا یہ لوگ مجھ سے گائے طلب کرتے ہیں، تو نے گائے کیوں بھیجی، اس میں میری کوئی خطا نہیں تھی۔

جب حضرت داؤد علیہ السلام باہر تشریف لائے اور نخل غپاڑا سنا تو پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ مدعی نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ اے نبی اللہ! میری گائے اس کے گھر میں گھس گئی۔ اس نے میری گائے کو ذبح کر لیا، اب آپ اس سے دریافت کریں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا کہ اے شخص! بتا تو نے اس کی گائے کیوں ذبح کر ڈالی وہی تباہی باتیں نہ کر، مقول بات کر تاکہ اس دعوے کا فیصلہ کیا جاسکے۔

اس نے عرض کی کہ اے داؤد! میں سات سال سے دن رات یہی دعا مانجھتا تھا کہ اے کریم و رحیم! مجھے روزی حلال بے محنت عطا فرما۔ شہر کی ساری خلقت کیا مرد اور کیا عورت سب واقف ہے۔ اور پچھتے تک اس بات کی ہنسی کیا کرتے تھے۔ آپ کسی سے اس کی تصدیق فرمائیں کہ یہ پھسے کپڑوں والا فقیر سچ کہتا ہے یا نہیں۔ اتنی مدت کی دعاؤں کے بعد ایک دن گائے میرے گھر میں آگئی۔ میری آنکھوں میں اندھیری آگئی۔ اس لیے نہیں کہ رزق مل گیا بلکہ اس خوشی میں کہ میری اتنے برسوں کی دعا قبول ہوئی۔ میں نے گائے کو ذبح کر دیا کہ خدا کے شکر میں فقیروں پر تقسیم کر دوں جس نے میرے دل کی مراد پوری کر دی۔

حضرت داؤد نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑا اگر کوئی شرعی دلیل ہے تو وہ بیان کر۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں کسی معقول دلیل کے بغیر ایسا فیصلہ کر دوں کہ شریعت میں باطل قانون ہل پئے تجھے وہ گائے کسی نے بخشی یا تو نے خریدی کہ تو اس کا مالک بن گیا؟ بس اس سچ سچ نہ کر، اس مسلمان کو قیمت ادا کر اور اگر پاس نہیں ہے تو قرض لے کر دے۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ تم بھی ہی کہتے ہو جو یہ بے درد کہتے ہیں۔ پھر اس نے سچے دل سے آہ کی اور کہا کہ اے میرے سوہ دل کے جاننے والے تو ہی داؤد کے دل میں اس کی روشنی ڈال۔ یہ کہہ کر چھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہاں تک کہ داؤد کا دل ہل گیا۔ داؤد نے کہا کہ اے گائے والے آج

کے آج ہملت دے اور مقدمہ ملتوی کرتا کہ میں خلوت میں جا کر نماز پڑھوں اور یہ احوال اس راز جاننے والے سے دریافت کروں۔ میرا خلوت میں نماز کے لیے جانا تعلیم خلق کا راستہ ہے۔

پھر حضرت داؤدؑ چپ چاپ تنہائی میں چلے گئے۔ آپ نے دروازہ بند کر دیا اور محراب میں جا کر دعائیں مصروف ہوئے۔ جتنا بتانا تھا خدا نے بتا دیا اور داؤد علیہ السلام اس مقدمے کے طریق سزا سے واقف ہو گئے۔ دوسرے دن مدعی و مدعا علیہ داؤد کے پاس حاضر ہوئے۔ پھر مقدمہ شروع ہوا اور مدعی نے سخت گالی گلوچ شروع کی کہ پیغمبر برحق کے عہد میں ایسا ظلم صریح ہو رہا ہے کہ گائے کو مار کر کھا گیا اور جو اب دہی کے موقع پر اپنی خداسی کا فریب دیتا ہے۔ اے خدا کے رسول کیا یہ جائز ہے کہ گائے جو میری ملک تھی وہ خدا نے اسے دے دی حضرت داؤدؑ نے کہا کہ خاموش ہو جا اور اس کا بیچا چھوڑ اور اس مسلمان کو اپنی گائے معاف کر دے۔ اے جوان جب کہ خدا نے تیرے گناہ کو پوشیدہ کیا ہے تو بھی اس کی ستاری کا حق ادا کرو اور صبر کر لے۔ اس نے داؤدؑ کو چھانی شروع کی کہ یہ کیا حکم اور کیا انصاف ہے کہ مجھ غریب کے لیے نیا قانون وضع ہوا۔ اے داؤدؑ تمہارے عدل و انصاف سے تو زمین و آسمان معظ ہیں۔ لیکن جو تم مجھ پر ہوا ہے ایسا تو اندھے کتوں پر بھی نہ ہوا ہو گا اس زیادتی سے پتھر اور پہاڑ شق ہو جائیں گے۔ اسی طرح کی شکایتیں علانیہ کر رہا تھا اور ظلم ظلم پھارتا تھا۔ اے نبی اللہ دیکھو مجھ پر ایسا ظلم نہ کرو اور خطاب انصاف حکم نہ دو۔ حضرت داؤدؑ نے جب سب کچھ سن لیا تو حکم دیا کہ اسے بد معاش اپنا سارا مال اس کے حوالے کر دے تیرا معاملہ سخت ہو جائے گا اور میرا ستم اس پر بھی آشکارا ہو جائے گا۔ اس نے اپنے سر پر خاک اڑائی، کپڑے پھاڑ لیے اور کہا کہ آپ نے تو ظلم میں اور اضافہ کر دیا۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضرت داؤدؑ نے اُس کو اپنے قریب طلب فرمایا اور کہا کہ اے سیاہ بخت چونکہ تیری تقدیر درست نہیں اس لیے تیرے ظلم کا نتیجہ آہستہ آہستہ

ظاہر ہوا۔ دیکھ اس واویلا سے باز آئیں یہ واویلا تیری ہلاکت کا پیغام نہ بن جائے
 جاتیرے بچے اور بیوی اس کے لاونڈی غلام بنا دئے گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے پتھر
 لے کر اپنا سینہ کوٹنے لگا اور اپنے جہل سے ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ مخلوق بھی یہ حال
 دیکھ کر ترس کھانے لگی کیوں کہ ان اجکام کی اہلی وجہ سے ناواقف تھی۔ سب طرف دار
 داؤد کے پاس حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے ہمارے شفیق نبی اللہ۔ آپ کی ذات
 سے ایسا ظلم نہ ہونا چاہیے۔ آپ نے ایک بے گناہ پبیے وجہ غصہ کیا۔ داؤد نے کہا کہ
 دوستو! اب وہ وقت آن پہنچا کہ اس کا چھپا ہوا بھید ظاہر ہو۔ سب مل کر ہمارے ساتھ
 فلاں جنگل میں دریا کے کنارے چلو بلکہ سب عورت مرد مل کر گھروں سے نکلو تاکہ تم سب
 اس پوشیدہ راز سے واقف ہو جاؤ۔ اس جنگل میں ایک بہت بڑا گھنا درخت ہے اس
 کی ڈالیوں سے ڈالیاں ملی ہوئی ہیں، وہ بہت تناور درخت ہے۔ مجھے اس کی جڑ میں سے
 بوسے خون آتی ہے۔ اس تناور درخت کے نیچے ایک آدمی کا خون کیا گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس
 بد بخت نے اپنے مالک کو قتل کر کے اس میں ڈال دیا ہے۔ یہ گائے والا دراصل مقتول کا غلام
 ہے۔ اس نے اپنے مالک کو قتل کر کے سارا مال لے لیا ہے۔ یہ جوان مدعا علیہ اسی مقتول کا
 فرزند ہے، یہ اُس وقت بالکل نا سمجھ بچہ تھا اس لیے بے خبر ہے۔ اب تک تو خدا کے حلم نے
 اس کے ظلم کو پوشیدہ رکھا تھا لیکن آخر میں اس بے حمیت کی ناشکری اس حد کو پہنچی کہ اپنے
 مالک کے بچوں کو دیکھنا تک چھوڑ دیا نہ نوروز کو ان سے ملائے عید میں جا کر ملاقات کی۔ ان
 بے کسوں کو کبھی ایک لقمہ کھانا نہ دیا اور حقوق قدیم کو بالکل بھول گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی
 کہ ایک اونٹنے گائے کے لیے اپنے مالک کے بچے کو زمین پر بچھاڑے ڈالتا ہے، اس
 نے اپنے گنہگار پردہ خود ہی فاش کیا ہے ورنہ شاید خدا اس کے جرم کو چھپا لیتا۔ اس ظلم
 کے زمانے میں کافر اور فاسق لوگ اپنا پردہ خود ہی چاک کیا کرتے ہیں۔ ظلم روح کی
 گہرائیوں میں چھپا رہتا ہے، ظالم اس کو لوگوں میں فاش کرنا ہے۔ جب سب لوگ جنگل میں

اس درخت تک پہنچے تو حضرت داؤد نے حکم دیا کہ مدعی کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں پھر اس سے فرمایا کہ اے کتے! پہلے تو نے داد کو قتل کیا اس کی سزا میں تو مقتول کا غلام بنایا گیا۔ اس کے بعد اپنے مالک کو قتل کر کے تو نے سب مال پر قبضہ کر لیا۔ تیری بیوی اسی مقتول کی لونڈی تھی اس نے بھی اپنے مالک پر جفائیں کی ہیں۔ لہذا اب جوڑکے لو لکیاں اس کے ہاں پیدا ہوں وہ سب اسی مدعا علیہ کی ملک ہیں۔ اور تو بھی اس کا غلام ہے۔ جو کچھ تو نے کمایا سب اس کی ملک ہوگی۔ چونکہ تو نے مطابق شرع فیصلہ چاہا تھا لہذا یہ تیرا فیصلہ ہے جا اور اس کی تعمیل کر۔ تو نے اپنے مالک کو اسی جگہ بڑی بے دردی سے قتل کیا اور اسی جگہ تیرے مالک نے کیسی کیسی سنت سماجت کی۔ اسی جگہ تو نے اپنی چھری پر دہ فاش ہونے کے خوف سے زمین میں دفن کر دی تھی۔ اے لوگو زمین کو کھودو دیکھو مالک کا سر چھری کے ساتھ دفن ملے گا اور اس چھری پر اس کتے کا نام بھی کندہ ملے گا۔ جب زمین کھودی گئی تو دیکھا کہ واقعی مقتول کا سر اور وہ چھری زمین میں دفن تھے۔ خلقت میں شور پیدا ہو گیا۔ سب نے حضرت داؤد سے اپنی بدظنی کی معافی مانگی۔ اس کے بعد حضرت داؤد نے حکم دیا کہ اے فریادی آ اور اپنی داد فریاد کا نتیجہ دیکھ۔ پھر اسی چھری سے قاتل کو قصاص فرمایا۔

خدا کا حکم اگرچہ بہت رعایت کرتا ہے لیکن جب بات حد سے گزر جاتی ہے تو رسوا کر دیتا ہے۔

جب خود مدعی کے دعوے سے اصل بھید معلوم ہو گیا اور حضرت داؤد کا سچہ وہ دو ٹوک ثابت ہوا تو ساری خلقت سر برہنہ حاضر ہوئی اور سب نے مل کر بڑی عاجزی سے عرض کی کہ ہم فطرتی اندھے تھے اس لیے آپ نے جو کچھ فرمایا تھا اس کا ہم نے اعتبار نہیں کیا۔ آپ ہمیں معاف فرمادیں۔ ایک ظالم مارا گیا اور ایک جہان زندہ ہو گیا اور ہر شخص کا خد پر از سر نو ایمان تازہ ہو گیا۔

ای عزیز تو بھی اپنے نفس کو قتل کر کے ایک جہان کو زندہ کر۔ گائے کا مدعی تیرا ہی نفس ہے جس نے اپنے کو امیر اور بڑا آدمی بنا لیا ہے۔ اور وہ گائے کو ذبح کرنے والا تیری عقل ہے۔ تن کی گائے کو ذبح کرنے والے سے مخالفت و انکار نہ کر۔ عقل مقید ہے اور خدا سے ہمیشہ بے رنج و محنت روزی حلال کی طالب ہے۔ تو جانتا ہے کہ خدا کی بے محنت روزی کس کو ملتی ہے؟ اُسے جو گائے یعنی نفس کی خواہش کو ذبح کر دے۔ عقل سلیم اصل دارث بے کس اور بے سرو سامان رہ گئی ہے اور خود غرض، بے درد نفس مالک اور سردار بن گیا۔ تو جانتا ہے کہ روزی بے محنت کیا ہوتی ہے؟ وہ روح کی غذا اور رزق پاک ہے۔ لیکن وہ گائے کی قربانی پر موقوف ہے۔ لہذا اگر جستجو کرنے والے تو گائے کے قتل کو ایک چھپا ہوا خزانہ سمجھ +



لڑکوں کا استاد کو وہم سے بیمار ڈالنا

ایک مکتب کے لڑکے اُستاد کی سختی سے بہت تنگ آ گئے۔ سب نے مل کر مشورہ کیا کہ کوئی ایسی بات کی جائے کہ اُس کے ظلم سے کچھ تو نجات ملے۔ اس اُستاد کو کوئی بیماری بھی تو نہیں ہوتی کہ چند روز ہم کو آرام رہے۔ اس کی سخت قیاد اور مار پیٹ سے کوئی بچنے کی صورت نہیں نظر آتی کیوں کہ وہ ظالم تو پتھر کی چٹان کی طرح اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ آخراں میں سے ایک ہوشیار لڑکے نے یہ تدبیر نکالی کہ جب اُستاد آئے تو میں کہوں گا کہ حضرت آج آپ کا چہرہ زرد کیوں ہے؟ خیر تو ہے آج آپ کا منہ اُترا ہوا ہے۔ ہونہ ہوا تو ہوا لگ گئی ہے یا آپ کو بخار ہے۔ اُستاد کو میرے کہنے کا کچھ خیال ہوگا۔ اس وقت دوسرے بھی میری تائید کریں۔ یعنی دوسرا لڑکا بھی پریشان صورت بنا کر کہے، مولوی صاحب آج آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ تب وہ خیال اور بول میں جئے گا۔

اسی طرح تیسرا، چوتھا اور پانچواں بیچے بعد دیگرے اپنا فکد اور تشویش ظاہر کریں۔ یہاں تک کہ جب تیس بیچے یک زبان ہو کر یہ خبر دیں گے تو وہ دل میں جگہ پالے گی۔

ہر ایک نے کہا، شاہنشاہش ای ذکی اھذا تیرا اقبال بلند کرے۔ پھر سب نے اقرار کیا کہ اس تجویز کو کوئی نہ مانے گا۔ اس کے بعد اُس نے سب کو قسم دی کہ کوئی اس بات کی مچھلی نہ کھائے۔ اس بیچے کی رائے کے سب گردیدہ ہو گئے اس کی عقل چراگاہ میں سب بھیڑوں کے آگے آگے چلتی تھی۔ آدمی کی عقلوں میں بھی وہی فرق ہے جو فرق صورتوں میں ہے۔ غرض دوسرا دن ہوا اور بیچے خوش خوش یہ تجویز گانٹھ کر کتب پہنچے سب کے سب باہری منتظر کھڑے رہے کہ وہ تجویز نکالنے والا دوست آجائے کیوں کہ قاعدہ ہے کہ سر پاتوں سے افضل ہوتا ہے۔

وہ بھی آ گیا، اور استاد کو سلام کر کے کہا کہ حضرت خیر تو ہے، آپ کے چہرے کا رنگ زرد ہو رہا ہے۔ استاد نے کہا کہ مجھے تو کچھ نہیں ہوا تو خا، اور جگہ پر بیٹھ، بے کا باتیں نہ کر۔ استاد نے انکار تو کر دیا مگر برسے وہم کا غبار اس کے دل میں آ گیا۔ اسی طرح دوسرے لڑکے نے بھی کہا تو استاد کا وہم کچھ اور بڑھا۔ اسی طرح اس کا وہم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اسی وہم کی شدت سے وہ بالکل سست پڑ گیا، کھڑا ہوا اور کبل اوڑھ لیا۔ دل ہی دل میں اپنی بیوی پر خفا ہونے لگا کہ اس نے بھی مجھ سے کچھ نہ کہا وہ تو اپنے حسن اور بناؤ سنگھار میں محو رہتی ہے۔ بھلا میری اسے کیا پڑی۔ دل سے باتیں کرنا اپنے درواز پر پہنچا بہت زور سے دروازہ کھول کر داخل ہوا، استاد آگے آگے اور لڑکے پیچھے پیچھے بیوی نے کہا خیر تو ہے اس قدر جلدی کیسے آگئے۔ استاد نے کہا کہ تو اندھی ہو گئی ہے دیکھتی نہیں کہ میں کس قدر علیل ہوں میری دیکھ رکھ نہیں کرتی۔ بیوی نے کہا کہ میاں تمہیں کوئی بیماری نہیں سارا وہم بے حقیقت ہے۔ استاد نے کہا اری تو پھپھڑ دلا لے کیوں کرتی ہے، دیکھتی نہیں کہ منہ پہ ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور لرزہ بخا رہا ہوا ہے۔ اگر تو اندھی اور بری ہو گئی ہے

تو اس کو میں کیا کروں ، میں تو بیماری اور سخت تکلیف میں مبتلا ہوں ۔ بیوی نے کہا کہ میاں ! تم چاہو تو آئینہ لاکر دکھا دوں تاکہ تم کو میری بات کا یقین ہو ۔ اُستاد نے کہا اری چل چل تو کیا اور تیرا آئینہ کیا ، تو تو ہمیشہ کا مجھ سے بغض رکھتی ہے ۔ جا میرا بچھونا بچھادے تاکہ میں ذرا سو جاؤں کیونکہ میرا سر بھاری ہو رہا ہے ۔ بیوی ذرا سو جانے میں پڑی ، تو اُستاد نے فوراً لٹکا کر کہا ، اری او میری دشمن جلدی کر ۔

الغرض بچھونا لاکر اس نے بچھادیا ، اگرچہ دل میں بہت جل رہی تھی کہ اگر اب میں اس کے خلاف کچھ کہتی ہوں تو بگڑتا ہے اور اگر چُپ رہتی ہوں تو یہ ایک مضحکہ ہوا کرتا ہے ۔ بہر حال اُستاد صاحب لیٹ کر کراہنے لگے ۔ لڑکے سب وہاں جا بیٹھے اور بظاہر سبق پڑھنے لگے مگر کچھ تو پشیمان تھے کہ یہ بری حرکت ہم سے ہوئی اور کچھ اس فکر میں تھے کہ اب یہ ماں سے کس طرح چھٹکارا نصیب ہو ۔ اس عقلمند لڑکے نے کہا کہ اے بھائیو ! خوب خوب پکار پکار کر سب بڑھو ، اور جب سب بچے پکار پکار کر پڑھنے لگے تو اسی لڑکے نے پکار کر کہا کہ ارے بھی کہیں ہماری آواز سے حضرت کو تکلیف نہ پہنچتی ہو ۔ اُستاد نے بھی کہا ہاں یہ سچ کہتا ہے ، جاؤ ، چھٹی ، میرے سر میں درد بڑھ گیا ، تم گھروں کو جاؤ ۔ سب لڑکوں نے اُستاد کو جھک جھک کر سلام کیے اور اُپھلنے کودتے اپنے گھر پہنچے جیسے پرندے دانے پر ٹوٹ کر گرتے ہیں ۔ بچوں کی ماؤں نے خفا ہو کر کہا کہ ہمیں آج تو پڑھنے کا دن ہے اور تم کو کھیل سوچھا ہے ۔ یہ وقت تو پڑھنے لکھنے کا ہے اور تم مکتب اور اُستاد سے بھاگے ہوئے ہو ، ہر بچے نے جواب دیا کہ اماں جان ہماری خطا نہیں ہے ۔ خدا کی قدرت سے ہمارے اُستاد کی طبیعت خراب ہے اور وہ بستر پر پڑ گئے ہیں ۔ ماؤں نے اس کا یقین نہیں کیا اور دوسرے دن صبح خود اُستاد کے مکان پر گئیں ۔ دیکھا تو واقع میں وہ لکھنا اور ڈھسے ، پڑانے بیمار کی طرح پڑا ہوا ہے ۔ عورتوں کو بڑی حیرت ہوئی اور دریافت کیا کہ حضرت کیا حال ہے آپ تو کل تک بالکل اچھے تھے ۔ یہ اب کا ایک ہی آپ

کو کیا ہو گیا۔ اُسٹاؤ نے کہا، ہاں مجھے بھی اپنے کام کی دُھن میں کچھ خبر نہ تھی کہ ایسی سخت بیماری اندر ہی اندر پیل رہی ہے مجھے توکل ان بچوں نے آگاہ کیا کہ میں کس قدر بیماری میں مبتلا ہوں۔ یہ سُن کر عورتوں نے لاجول پر مٹی اور یہ کہہ کر کہ ایسی بیماری کا علاج کسی کے پاس نہیں گھروں کو واپس گئیں +



ایک اہد کا بے قراری میں اپنا عمدہ توڑ دینا

میں ایک حکایت بیان کرنا ہوں اگر تم غور کرو تو حقیقت پر فریفتہ ہو جاؤ۔ ایک درویش پہاڑیوں میں رہتا تھا۔ تنہائی ہی اس کے جو رہتے تھے اور تنہائی ہی اس کی مصاحب تھی۔ پروردگار کی جانب سے اس کو مستانہ خوشبوئیں پہنچتی تھیں اس لیے وہ لوگوں کے سانس کی بدبو سے پریشان ہوتا تھا۔

بات یہ ہے کہ جس طرح آرام سے گھر میں مقیم رہنا ہمیں اچھا لگتا ہے اسی طرح دوسرے گروہ پر سفر آسان کر دیا گیا ہے۔

القصد اس پہاڑ کی وادیوں میں پھیل دار درخت سیب امرود اور انار کے بہت تھے۔ اس درویش کی غذا وہی میوے تھے، ان کے سوا اور کچھ نہ کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ درویش نے خدا سے عمد کیا کہ اے میرے پالنے والے میں ان درختوں سے خود میوہ نہ توڑوں گا نہ کسی اور سے توڑنے کی درخواست کروں گا۔ میں وہ میوہ نہ کھاؤں گا جس کو ڈالیاں بلند رکھیں، صرف وہی میوہ کھاؤں گا جو ہوا کے جھونکے سے بھر پڑے اتفاقاً پانچ دن تک کوئی سیب یا امرود ہوا سے نہیں جھڑا اور بھوک کی آگ نے درویش کو بے قرار کر دیا۔ ایک ڈالی کی پھنگ پر چند امرود لگے ہوئے دیکھے مگر پھر بھی صبر کیا اور اپنے کو قابو میں رکھا۔ اتنے میں ہوا کا جھکڑا ایسا آیا کہ شاخ کی

پھننگ نیچے کو جھمک گئی پھر طبیعت قابو میں نہ رہی۔ بھوک نے آخر زاہد کو عہد توڑنے پر آمادہ کر دیا اور درخت سے میوہ توڑنا تھا کہ اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ ساتھ ہی خدا کی غیرت نے حرکت کی کیوں کہ خدا کا فرمان ہے کہ جو عہد باندھو اس کو ضرور پورا کرو۔ اسی پہاڑ میں شاید پہلے بھی چوروں کی جماعت رہتی اور وہیں چوری کا مال آپس میں تقسیم کیا کرتی تھی۔ اتفاقاً اسی وقت ان کے وہاں موجود ہونے کی خبر پا کر کو تو والی کے سپاہیوں نے اس پہاڑی کا محاصرہ کر لیا اور چوروں کے ساتھ درویش کو بھی گرفتار کر کے ہینکڑی بیڑی ڈال دی اس کے بعد کو تو وال نے جلا دو حکم دیا کہ ہر ایک کے ہاتھ پاتوں کاٹ ڈالے۔ جلا دئے وہیں بایاں پاتوں اور دایاں ہاتھ سب کا کاٹ ڈالا۔ اب کیا تھا شور و اویلا سے سارا پہاڑ گونج اٹھا۔ انہی میں درویش کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا گیا اور پاتوں کاٹ دینے کا انتظام ہو رہا تھا کہ ناگاہ ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور سپاہیوں کو لنگار کر کہا کہ ارے کتو! دیکھو یہ فلاں شیخ اور خدا کے ابدال سے ہیں ان کا ہاتھ کیوں کاٹ ڈالا۔ یہ سن کر سپاہی نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور تیزی سے کو تو وال کی حضور پہنچ کر اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ کو تو وال یہ سن کر ننگے پاتوں معذرت کرتا ہوا حاضر ہوا کہ اے حضرت! معاف فرمائیے، خدا گواہ ہے کہ مجھے خبر نہ تھی۔ اہم بخشش کرنے والے اہل بہشت کے سردار! میں نے سخت گناہ کیا آپ مجھے بخش دیجیے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں اس تکلیف کا سبب جانتا ہوں اور میں اپنے گناہ سے خود واقف ہوں۔ میں نے ایمان داری کی عزت بردار کر دی اس لیے میرے ہی عہد نے مجھے اس کی کچھری میں دھکیل دیا۔ میں نے جان بوجھ کر عہد توڑا اس لیے سزا میں ہاتھ پر آفت آتی۔ ہمارا ہاتھ ہمارا پاتوں اور ہمارا جسم و جان، دوست کے حکم پر نثار ہو جائے تو یہ شکر کا مقام ہے۔ تجھ سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔ تجھے کب خبر تھی، لہذا تجھ پر کوئی آفت نہ آئے گی۔ جو غلبہ فرمانروائی سے واقع ہوا اسے خدا سے اُلٹھنے کی کیا مجال ہے۔

اب درویش کی کرامت سنو کہ ہاتھ کٹنے کے بعد لوگوں میں ان کا نام شندے شیخ پڑ گیا تھا۔ لوگ اسی لقب سے ان کو پکارتے تھے۔ اتفاقاً ایک شخص بغرض ملاقات ان کی جھونپڑی میں گس آیا دیکھا کہ حضرت دونوں ہاتھوں سے اپنی جھولی سی رہے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ ارے جان کے دشمن تو میری جھو پڑی میں بے اطلاع منہ ڈال کر کیسے آ گیا۔ اس نے عرض کی محبت اور اشتیاق کی وجہ سے غلطی ہو گئی۔ شیخ نے فرمایا کہ اچھا تو چلا آ، لیکن خبردار یہ حال لوگوں سے مخفی رکھنا۔ جب تک میں مر نہ جاؤں اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا لیکن جھو پڑی کے باہر ایک مجمع کثیر جھانک رہا تھا وہ شیخ کے جھولی سینے پر واقف ہو گیا۔ شیخ نے دل میں کہا کہ ایسا بد رو دکار اس کی حکمت تو ہی جانتا ہے کہ میں اس کرامت کو چھپاتا ہوں اور تو اس کو ظاہر کرتا ہے۔ شیخ کو الہام ہوا کہ قریب تھا کہ لوگ تجھ سے منکر ہو جائیں اور کہتے پھریں کہ تو راہِ خدا میں مکر کا حال پھیل کر بیٹھا تھا اس لیے خدا نے اس کو بدنام و رسوا کیا۔ ہم کو منظور نہ ہوا کہ وہ لوگ کافر ہو جائیں اور اپنی گمراہی سے بدگمانی میں پڑیں اس لیے ہم نے تیری یہ کرامت ظاہر کر دی کہ کام کے وقت میں ہم تجھے ہاتھ عطا کر دیتے ہیں تاکہ یہ بدگمانی کے روگی درگاہِ الہی سے پھرنے جائیں۔ میں تو ان کرامتوں سے پہلے بھی تجھے اپنی ذاتِ خاص کا عرفان دے چکا ہوں۔ یہ کرامت جو تجھ کو عطا ہوئی یہ ان عوام کے لیے ہے اور یہ چراغ اس مصلحت سے روشن کیا گیا ہے۔



ایک شخص کا سنار سے ازو ما گننا اور سنار کا جواب

ایک آدمی سنار کے پاس سونا تولنے کے لیے ترازو مانگنے آیا۔ سنار نے کہا کہ میاں اپنا رستہ لو میرے پاس چھلنی نہیں ہے، اس نے کہا کہ ہائیں مذاق نہ کر بھائی مجھے ترازو چاہیے۔ اس نے جواب دیا کہ میری دکان میں جھاڑو ہی نہیں، اس نے کہا ارے بھائی

مسخرے پن کو چھوڑ۔ میں تو ترازو مانگتا ہوں، وہ دے اور بہرا بن کے اونگے بونگے جو اب نہ دے۔ سنار نے جواب دیا کہ حضرت میں نے تمہاری بات سن لی تھی، میں بہرا نہیں ہوں، تم یہ نہ سمجھو کہ میں مہل بک رہا ہوں۔ تم بوڑھے آدمی سوکھ کر قلاق ہو رہے ہو ہاتھوں میں رعشہ ہے اور سارا جسم کانپتا ہے۔ تمہارا سونا بھی کچھ بڑا دے اور کچھ چوراہا اس لیے تولے میں ہاتھ لرزے گا اور سونا گر پڑے گا۔ تو پھر تم آؤ گے کہ بھائی ذرا بھاڑ دو تولے آ تاکہ میں اپنا سونا اکٹھا کروں اور جب بھاڑ کر مٹی خاک ایک جگہ جمع کر لو گے تو بھر کہو گے کہ مجھے چھنی چاہیے۔ تاکہ خاک کو چھان کر سونا الگ کروں اور ہماری دوکان میں چھنی کہاں۔ میں نے پہلے ہی سے تمہارے کام کا انجام دیکھ کر کہا تھا لہذا آپ کہیں اور ترازو مانگئے جائیے۔

جو صرف آغاز کو دیکھتا ہے وہ اندھا ہے جو انجام پر نظر رکھے وہ عقل مند ہے۔ جو شخص کہ پہلے ہی سے پیش آنے والی بات کو سوچ لے وہ آخر پر کبھی شرمسار نہیں ہوتا۔



حضرت عیسیٰ کا حقوں سے دُوبھاگنا

حضرت عیسیٰؑ ایک دفعہ پہاڑ کی طرف بے تحاشا جا رہے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید کوئی شیران پر حملہ کرنے کے لیے پیچھے آ رہا ہے۔ ایک شخص حضرت کے پیچھے دوڑا، پوچھا کہ خیر تو ہے حضرت! آپ کے پیچھے تو کوئی بھی نہیں پھر پرندے کی طرح کیوں اڑتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰؑ نے اپنی تیز روی میں، اس کو کوئی جواب نہ دیا۔ ایک دو میدان تک تو وہ پیچھے پیچھے دوڑا آخر کار بر سے زور کی آوازیں دے کر عیسیٰؑ کو بھارا کہ خدا کے واسطے ذرا تو ٹھیرے کہ مجھے آپ کی اس بھاگ دوڑ سے غلجان پیدا ہو گیا ہے۔ آپ ادھر سے کیوں بھاگے جا رہے

ہیں، آپ کے پیچھے نہ کوئی شیر ہی نہ کوئی دشمن۔ آپ نے فرمایا کہ سچ ہے۔ مگر ایک احمق آدمی سے بھاگ رہا ہوں۔ تو میرا راستہ کھوٹا نہ کر۔ اس نے کہا ہائیں کیا تم مسیحا نہیں ہو جن سے اندھے اور بہرے بیٹا اور شنوا ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کہ آپ وہ بادشاہ نہیں جو طلسمِ غیب پر قدرت رکھتا ہے، کہ اگر تم مردے پر پڑھا دو تو وہ مردہ زندہ گرفتار کیے ہوئے شیر کی طرح اٹھ آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کہ آپ وہ نہیں کہ مستی کا پرندہ بنا کر اس پر ذرا دم کریں تو جان دار ہو جائے اور اسی وقت ہوا میں اڑنے لگے۔ آپ نے جواب دیا کہ بے شک، پھر اس نے عرض کی کہ اگر روح پاک، آپ جو چاہے کر سکتے ہیں۔ پھر آپ کو کس کا ڈر ہے۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جو جسم کا ایجا کرنے والا اور جان کا بیدار کرنے والا ہے۔ اس کی ذات و صفات کی عزت کے آگے آسمان بھی گریبان چاک ہے کہ اس طلسم و اسیمِ اعظم کو میں نے بہروں اور اندھوں پر پڑھا تو وہ اچھے ہو گئے۔ پہاڑوں پر پڑھا تو وہ شق ہو گئے۔ جسمِ مردہ پر پڑھا تو وہ زندہ ہو گیا، لاش پر پڑھا تو وہ شہ ہو گیا۔ لیکن میں نے کس کس خلوص و کوشش سے وہی طلسمِ احمق پر پڑھا اور لاکھوں بار پڑھا مگر افسوس کہ کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اُس نے حیرت سے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ خدا کا نام وہاں فائدہ کرتا ہے اور یہاں بے اثر ہے حالانکہ یہ بھی ایک بیماری ہے اور وہ بھی، پھر کیا سبب ہے کہ اسیمِ اعظم دونوں پر یکساں اثر نہیں کرتا۔ حضرت عینے نے کہا کہ احمق کی بیماری خدا کا غضب اور اندھے پن کی بیماری غضب نہیں بلکہ آزمائش ہے۔ آزمائش سے جو بیماری ہو اُس پر رحم آتا ہے اور احمق وہ بیماری ہے کہ اس سے زخم آتا ہے۔

اے شخص! تو بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح احمقوں سے دور بھاگ، نادان کی صحبت نے بڑے بڑے فساد کیے ہیں جس طرح کہ ہوا آہستہ آہستہ پانی کو خشک کر دیتی

ہر اسی طرحِ احمق بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر تم کو چڑا لیتا ہے۔ تیری گرمی کو چرا کر سردی دیتا ہے جیسے ٹھنڈے پتھر سے تیرے سارے بدن میں سردی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ کا احمق سے بھاگنا کسی خون و خطر سے نہ تھا کیوں کہ آپ ہر قسم کی آفت و اثر سے محفوظ تھے بلکہ وہ امت کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ کوہِ زمہریر ساری دنیا میں سردی پھیلا دے تو بھی خورشیدِ تاباں کو کیا غم +



دورینِ اندھا تیز سننے والا بہرا، اور دراز دامن تنگ

بچے بہت سے من گھڑت قصے کہتے ہیں ان کہانیوں اور پہیلیوں میں بہت سے راز اور نصیحتیں ہوتی ہیں اور فضول باتیں بھی۔ لیکن تو انہی ویرانوں میں سے خزانہ تلاش کر۔ ایک بڑا گنجان شہر تھا۔ کوئی دس شہروں کے آدمی اس ایک شہر میں آباد تھے لیکن وہ سب کے سب تین ہی قسم کے نادان تجربہ کار تھے۔ ایک تو وہ کہ دور کی چیز دیکھتا تھا مگر آنکھوں سے اندھا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے دیدار سے تو اس کی آنکھیں بے نصیب تھیں لیکن چوٹی کے پانوں دیکھ لیتا تھا۔ دوسرا بہت تیز سننے والا مگر بالکل بہرا تھا اور تیسرا بچم تنگ جیسے چلتا پھرتا ہوا مردہ لیکن اس کے کپڑوں کے دامن بہت لمبے لمبے تھے۔

اندھے نے کہا دیکھو ایک گروہ آ رہا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ کون سی قوم ہے اور اس میں کتنے آدمی ہیں۔ ہرے نے کہا کہ ہاں میں نے بھی ان کی باتوں کی آواز سنی۔ ننگے نے کہا کہ بھائی مجھے یہ ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں میرے لمبے لمبے دامن نہ کتر لیں۔

اندھے نے کہا کہ دیکھو! وہ لوگ نزدیک پہنچ گئے، ارے جلدی اٹھو، مار سیٹھا

یا پچوڑ دھکڑ سے پہلے ہی نکل بھاگیں۔ بہرے نے کہا کہ ہاں ان کے پیروں کی چاپ نزدیک ہوتی جاتی ہے، ای دوستو! ہوشیار ہو جاؤ۔ ننگے نے کہا کہ بے شک بھاگو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرا دامن کتر لیں میں تو بالکل ہی خطرے میں ہوں۔

الغرض تینوں شہر سے بھاگ کر باہر نکلے اور بھاگ کر ایک گاؤں میں پہنچے اس گاؤں میں انھوں نے خوب موٹا تازہ مرغ پایا لیکن بالکل ہڈیوں کی مالاکہ ذرا سا بھی گوشت اس میں نہ تھا۔ اندھے نے اسے دیکھا۔ بہرے نے اس کی آواز سنی اور ننگے نے پچوڑ کو اپنے دامن میں لے لیا۔ وہ مرغ مر کر خشک ہو گیا تھا اور کوٹے نے اس میں چونچیں ماری تھیں۔ ان تینوں نے ایک دیگ منگوا لی جس کا نہ دہانہ تھا نہ پیندا بس اسی کو چولھے پر چڑھا دیا۔ ان تینوں نے وہ موٹا تازہ مرغ دیگ میں ڈالا اور پکانا شروع کیا اور اتنی آنچ دی کہ ساری ہڈیاں گل کر حلوا ہو گئیں پھر جس طرح شیر اپنا شکار کھاتا ہے اس طرح ان تینوں نے وہ مرغ کھایا اور ہر ایک نے ہاتھی کی طرح سیر ہو کر کھایا۔ وہ تینوں اس ایک مرغ کو کھا کر بہت بڑے گراں ڈیل ہاتھی کی طرح موٹے تازے ہو گئے۔ ان کا مٹنا پاتا بنا بڑھا کہ ہر ایک چوڑے چکلے پن کی وجہ سے جہاں میں نہ سماتا تھا۔ مگر اس مٹا پے کے باوجود وہ دروازے کے سوراخ میں سے نکل جاتے تھے۔

مخلوق کو چوکا ہو گیا ہے کہ دنیا کی ہر شے پیٹ میں اُتار لے اور کھا کھا کر خوب موٹی ہو جائے خواہ وہ چیز جو ظاہر میں چرب اور اچھی نظر آتی ہے حقیقت میں کیسی ہی گندی اور نا جاتاز کیوں نہ ہو، اسے اپنا پیٹ بھرنے سے کام ہے لیکن دوسری طرف تر بات یہ ہے کہ لست موت کے راستے پر چلے بغیر چارہ نہیں اور یہ وہ عجیب راستہ ہے کہ دکھائی نہیں دیتا ایک کے پیچھے ایک قافلے کے قافلے دروازے کے روزن سے نکلے چلے جاتے ہیں اور وہ روزن دکھائی نہیں دیتا بلکہ خود اس دروازے کا پتہ نہیں چلتا جس کے روزن سے

یہ فائدہ گزرا چلا جاتا ہے۔ اس قصے میں امید کی مثال بہرے کی ہے کہ ہماری موت کی خبر تو سنتا ہے مگر اپنی موت کی خبر نہ سنتا ہے نہ اپنے کو گزرتا ہوا دیکھتا ہے۔ حرص کی مثال اندھے کی ہے کہ مخلوق کے ذرا ذرا سے عیب کو دیکھتا ہے اور کوچہ بہ کوچہ تشریف کرتا ہے۔ لیکن اس کی اندھی آنکھ اپنا عیب ذرہ برابر بھی نہیں دیکھتی۔ اور ننگا ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا دامن نہ کتر لیں تو بجلانگے کے پاس دھرا ہی کیا ہے جو اس کا دامن کتر جائے گا۔ یہ دنیا دار شخص ہے کہ دنیا میں ننگا آیا ہے اور ننگا ہی جا رہا ہے مگر ساری عمر چہرے کے غم میں اس کا جگر خون رہتا ہے۔ ایسا آدمی اپنی موت کے وقت اور بھی واویلا مچاتا ہے لیکن اس وقت خود دھان خوب ہنستی ہے کہ زندگی میں یہ شخص کس چیز کا خون کھایا کرتا تھا۔ اس گھڑی روپے والے کو تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل وہ بالکل مفلس تھا اور صاحب جس کو پتہ چلتا ہے کہ زندگی کیسی بے ہنری میں گزری۔

سارے علوم کی جان یہ ہے کہ تو جانے کہ اُس باز پرس (قیامت) کے دن تیرا درجہ کیا ہوگا۔ اپنی اصل پر غور کر جو تیرے سلسلے ہے۔ علم اصول یا معقولات جاننے سے بہتر ہے کہ تو اپنی اصلیت کو جانے +



غلام جو مسجد سے باہر نہ آتا تھا

کسی امیر کا غلام سنقر نام گزرا ہے۔ ایک روز پچھلی رات کو امیر نے سنقر کو آواز دی اور کہا چل کھڑا ہو۔ پیالہ، پنکلا، پنڈول کی مٹی لونڈی سے لے تاکہ آج بہت صبح حمام میں پہنچ جائیں۔ سنقر حاضر ہوا، پیالہ اور عمدہ ٹٹکالیا اور دونوں کے دونوں چل دیے۔ راستے میں ایک مسجد سے نماز فجر کی اذان کی آواز آئی۔ سنقر نماز کا پابند تھا، اس نے کہا کہ سرکار! آپ ذرا اس دوکان پر ٹھیر جائیں، میں نماز ادا کروں۔ سنقر تو نماز کو گیا اور وہ خدا سے غافل امیر کوکان پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ بہت دیر ہو گئی یہاں تک کہ امام اور سارے نمازی اپنی نماز اور

ورد و وظائف سے فارغ ہو کر باہر آئے مگر سنقر باہر نہ آیا۔ امیر نے پکارا کہ سنقر باہر کیوں نہیں آتا۔ سنقر نے جواب دیا کہ پیرو مرشد مجھے آنے نہیں دیتے۔ ذرا ٹھیرئیے ابھی آیا، میں آپ کی آواز سے غافل نہیں ہوں۔ اس طرح سات بار آواز دیتا اور انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ ٹھیرو، ٹھیرو کے جواب سے تنگ آ گیا۔ وہ بار بار یہی جواب دیتا تھا کہ مجھے چھوڑ نہیں رہے ہیں کہ باہر آؤں۔ امیر نے کہا کہ مسجد تو خالی ہو چکی تجھے وہاں کون روک رہا ہے۔ سنقر نے کہا کہ وہی جس نے آپ کو اندر آنے سے روکا ہے اسی نے مجھ کو اندر سے باہر آنے کو روک رکھا ہے۔

ایک فرزند مچھلیوں کو سمندر باہر نکلنے نہیں دیتا اور خشکی کے جانوروں کو اپنے اندر آنے نہیں دیتا مچھلی کی اصل پانی اور چو پائے کی مٹی جو اس لیے یہاں کوئی حیلہ و تدبیر نہیں چلتی ایسا قفل سخت پڑ جائے تو اس کو خدا ہی کھولے تو کھل سکتا ہے۔



ایک شہباز کا حضرت رسول اللہ کا موزہ اڑالے جانا

ایک بار شہر کے باہر کسی میدان میں اذان کی آواز حضرت مصطفیٰ نے عالم بالا سے آتی ہوئی سنی۔ آپ نے پانی طلب فرما کر وضو تازہ کیا۔ وضو کے بعد آپ اپنا موزہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھا ہی رہے تھے کہ ایک شہباز نے جھپٹا مار کر موزہ اڑالیا۔ وہ موزہ لے کر ہوا میں بلند ہو گیا اور وہاں سے جو موزے کو اٹا تو اس میں سے ایک سانپ نیچے گرا۔ جب دیکھا کہ کالا ننگ اس میں سے گرا ہے تو شہباز کی خیر خواہی ثابت ہوئی۔ پھر شہباز اس موزے کو واپس لایا اور عرض کی کہ لیجیے اور نماز کا ارادہ کیجیے۔ میں نے یہ گستاخی بضرورت کی تھی۔ پس حضرت رسولؐ نے شکر خدا ادا فرمایا اور کہا ہم اس شہباز کی زیادتی سمجھے تھے مگر وہ اس کی وفاداری نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے تو میری تکلیف

دور کی تھی گر میں اُن اُن تجھ سے رنجیدہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ خدا نے ہر عیب پر ہم کو آگاہ کیا ہو لیکن اس وقت ہمارا دل اپنے آپ میں مشغول تھا۔ شہباز نے عرض کی کہ خدا نہ کرے کہ آپ سے غفلت سرزد ہو، میرا غیب پر مطلع ہونا بھی آپ کے عکس پڑنے سے تھا۔ بھلا میں اس قدر بلندی سے موزے کے چھپے ہوئے سانپ کو دیکھ لوں، یہ مجھ سے ممکن نہیں، اے مصطفیٰ صلّ اللہ علیہ وسلم یہ آپ ہی کا عکس ہے۔ نور کا عکس بھی روشن ہوتا ہے اور تاریکی کا عکس ہوتا ہے۔

ایک شخص کا موسیٰ سے چو پائیوں کی زبان سیکھنا

حضرت موسیٰ سے ایک نوجوان نے جانوروں کی زبان سیکھنے کی خواہش کی تاکہ وحشی دابلی جانوروں کی آوازوں سے خدا کی اور معرفت حاصل کرے کیوں کہ بنی آدم کی ساری زبانیں تو کھانے پانی اور کروفریب ہی کے کام میں لگی رہتی ہیں۔ ممکن ہے جانور اپنی شکم پڑی کی اور کچھ تدبیر میں کرتے ہوں۔ موسیٰ نے کہا کہ اس ہوس سے باز آ۔ کیوں کہ اس میں طرح طرح کے خطرے ہیں۔ بجائے کتاب و گفتار کے معرفت، خدا سے طلب کر۔

مگر جس قدر حضرت نے اس کو منع کیا اسی قدر اس کا شوق زیادہ ہو گیا اور قاعدہ ہو کہ جس بات کو منع کیا جائے اسی کی غیبت بڑھ جاتی ہے۔ اس نے عرض کی کہ یا حضرت جب سے آپ کا نور چمکا ہے ہر چیز کی استعداد کمل گئی ہے۔ مجھے اس مقصد سے محروم کرنا آپ کی مہر و محبت سے دور ہے۔ آپ خدا کے قائم مقام ہیں اگر مجھے اس تحصیل سے روک دیں تو میں مایوس ہو جاؤں گا۔ حضرت موسیٰ نے بارگاہ الہی میں عرض کی کہ اے خدا سے بے نیاز معلوم ہوتا ہے کہ اس عقل مند آدمی کو شیطان مردود نے کھلانا بتایا ہے۔

اگر اسے میں سکھا دوں تو اس کے ساتھ بُرائی ہوتی ہے اور اگر نہ سکھاؤں تو اس کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔ خدا کا حکم ہوا کہ ای موسیٰ! تم اسے سکھاؤ۔ کیوں کہ ہم نے اپنے کرم سے کبھی کسی کی دعا دینے کی ہے۔ حضرت موسیٰ نے جا کر بہت نرمی سے اسے سمجھایا کہ تیری مراد تو اب خود بخود حاصل ہو جائے گی لیکن بہتر ہے کہ تو خدا سے ڈرے اور اس خیال سے باز آئے کیوں کہ شیطان نے یہ پتی تجھے پٹھائی ہے۔ مفت کا دوسرا مول نہ لے کیونکہ یہ تحصیل تجھ کو ہزار آفتوں میں پھنسا دے گی۔ اس نے غرض کی کہ بہت اچھا، سارے جانوروں کی بولی نہ سہی، کتے کی بولی جو میرے دروازے پر رہتا ہے اور مرغ کی بولی جو گھر میں پلا ہے میں جان لوں تو یہی کافی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اچھا لے آج سے ان دونوں کی بولی کا علم تجھ پر کھول دیا گیا۔

صبح سویرے وہ آزمائش کے لیے اپنے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ ماما نے دسترخوان جو پچھلے تو ایک باسی روٹی کا ٹکڑا کھانے سے بچ رہا تھا وہ نیچے گر پڑا۔ مرغ تو تاک میں لگا ہوا ہی تھا وہ فوراً اڑا لے گیا۔ کتے نے شکوہ کیا کہ تو تو کچے گیے گیوں بھی چُگ سکتا ہے میں دانہ دیکھا نہیں چُگ سکتا۔ ای دوست یہ ذرا سا روٹی کا ٹکڑا جو دراصل ہمارا حصہ ہے وہ بھی تو ہی اڑا لیتا ہے۔ مرغ نے یہ سن کر کہا کہ ذرا صبر کر اور اس کا افسوس نہ کر، خدا تجھ کو اس سے زیادہ اچھا بدلادے گا۔ کل ہمارے مالک کا گھوڑا مر جائے گا پھر خوب پیٹ بھر کر کھائیو۔ گھوڑے کی موت کتوں کی عیب ہے، بے کوشش و محنت خوب رزق میسر آتا ہے۔

یہ سنتے ہی مالک نے گھوڑا لے جا کر بیچ ڈالا اور دوسرے دن جو دسترخوان پچھا تو مرغ پھر روٹی کا ٹکڑا اڑا لے گیا اور کتے نے پھر شکایت کی کہ ای یا توئی مرغ! تو کیسا جھوٹا ہے۔ ارے ظالم تو نے کہا تھا کہ گھوڑا مر جائے گا، گھوڑا کہاں مرا، تو سیاہ بخت سچائی سے محروم ہے۔ باخبر مرغ نے جواب دیا کہ وہ گھوڑا دوسری جگہ مر گیا۔ مالک

گھوڑا بیچ کر نقصان سے بچ گیا اور اپنا نقصان دوسروں پر ڈال دیا۔ لیکن کل اس کا اونٹ مر جائے گا تو پھر کتوں کے گھرے ہیں۔

یہ سن کر فوراً مالک نے اونٹ کو بھی بیچ ڈالا، اور مرنے کے غم اور نقصان سے نجات پائی۔ تیسرے دن کتے نے مرغ سے کہا، اے جھوٹوں کے بادشاہ! کب تک جھوٹ بولے جائے گا، ارے نا اہل تو تو بالکل ہی فریبی دلال ہے۔ مرغ نے کہا کہ اس نے جلدی کر کے اونٹ کو بیچ ڈالا لیکن کل اس کا غلام مرے گا اور اس کے اقربا حاضری کی روٹیاں فقیروں کو دیں گے اور کتوں کو بھی خوب ملیں گی۔ یہ سنتے ہی مالک نے غلام کو بھی بیچ دیا اور نقصان سے بچ کر بہت خوش ہوا۔

وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا اور شکر پر شکر کرتا تھا کہ میں تا بڑ توڑ تین حادثوں سے بچ گیا۔ جب سے مجھے مرغ اور کتے کی بولیاں آگئی ہیں جب سے میں نے فرشتہ قضا کی آنکھیں پٹم کر دی ہیں۔

چوتھے دن اس بے آس کتے نے کہا کہ اے بڑ بولے، فضول گو مرغ وہ تیری پیشین گوئیاں کیا ہوئیں۔ یہ تیرا لکھو فریب کب تک چلے گا تیرے ٹاپے سے تیرا جھوٹ باہر نکلا کرتا ہے۔ اس نے کہا تو بہ تو بہ، میں اور میری قوم اور ذلیل جھوٹ بولے، بھلا یہ کب ہو سکتا ہے۔ ہماری قوم موذن کی طرح راست گفتار ہے۔ اصل یہ ہے کہ وہ غلام خریدار کے پاس جا کر مر گیا اور خریدار کا نقصان ہوا۔ مالک نے خریدار کا مال تو ہر باد کرا یا لیکن خوب سمجھ لے کہ اب خود مالک کی جان پر آئی۔ ایک نقصان سینکڑوں نقصانوں کو دفع کر دیتا ہے، جسم و مال کا نقصان جان کا صدقہ ہو جاتا ہے۔ بادشاہوں کی عدالت میں تو مال کا جرمانہ ادا کر کے اپنی جان بچا لیتا ہے۔ مگر قضاے الہی کے بھید سے ناواقف ہے کہ اپنے مال کو بچاتا ہے حالانکہ اگر وہی مال تجھ پر سے صدقے ہو جائے تو وہی نقصان میرا فائدہ بن جائے۔ اب کل یقیناً خود مالک ہی مر جائے گا اور

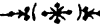
اس کے درشا فاتحہ میں گھائے قربانی کریں گے۔ لے پھر تو خوب مزے مزے کے مال اُڑائیو۔ روٹیاں، دسترخوان کا جھوٹا اور رقم کے لذیذ کھانے، گھائے کے گوشت کا قورمہ اور چپاتیاں فقیروں مسکینوں سے لے کر کتوں تک کو ڈالی جائیں گی۔ گھوڑے اور اونٹ اور غلام کی موت اس بے وقوف مغرور کی جان کا بدلہ تھا۔ مال کے نقصان اور اس کے غم سے تونج گیا اور مال بھی جمع کر لیا لیکن اپنی جان گنوائی۔

مالک مرغ کی پیشین گوئی کو کان لگا کر سن رہا تھا۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے دروازے پر پہنچا۔ مارے خوف کے زمین پر تنک گھسنی کرنے لگا کہ اے کلیم اللہ میری فریاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جا، اب اپنے کو بھی بیچ کر نقصان سے بچ جا، تو تو اس کام میں بڑا مشاق اُستاد ہو گیا ہے۔ اچکے بھی اپنا نقصان دوسرے مسلمانوں کے ہتھے مارا اور اپنی تھیلیوں اور ہمایونیوں کو دہرا تہرا بھر لے۔ یہ امر شدنی جو تجھے آئینے میں اب نظر آ رہا ہے اس کو پہلے ہی اینٹ میں دیکھ چکا تھا۔ آنے والی مصیبت کو عاقل پہلے سے دیکھ لیتا ہے اور نادان بالکل آخر میں دیکھتا ہے۔

اُس نے دوبارہ رونادھونا شروع کیا اور کہا کہ اے صاحبِ کرم مجھے یاوس نہ فرمائیے۔ بلکہ رحمت و کرم کا اسید وار بنائیے۔ مجھ سے تو نامناسب حرکت ہوئی لیکن آپ معاف فرمائیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرزند! اب تو چلتے سے تیر نکل چکا اور تیر کے واپس آنے کا دستور نہیں۔ البتہ میں اُس کی عدالت گاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ مرتے وقت باایمان مرے۔ جو ایمان اُمرے وہ زندہ رہتا ہے اور جو ایمان ساتھ لے جائے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

اُسی وقت اس کی طبیعت بگڑ گئی، دل الٹ پلٹ ہونے لگا، ایک طشت میں تڑکی۔ وہ تڑکی موت کی تھی پیسے کی نہ تھی۔ چار آدمی اُٹھا کر گھر لے گئے ایسے حال میں کہ اس پر شیش طاری تھا۔ حضرت موسیٰ نے اس صبح کو مناجات میں عرض کی کہ اے خدا! اسے ایمان سے بے نصیب نہ فرما تو اپنی مادشاہی کے صدقے میں اس پر بخشش فرما

یہ گستاخی و زیادتی اس نے بھولے سے کی تھی۔ ہر چند میں نے اس سے کہا تھا کہ علم تیرے لائق نہیں ہے، لیکن وہ میری نصیحت کو ماننے کی بات سمجھا۔ خدا سے بزرگ نے اس شخص پر رحم کیا اور موسیٰ کی دعا کو قبول فرمایا۔



حضرت حمزہؓ کا میدانِ جنگ میں زور پہنے بغیر آنا

ایامِ جوانی میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ جنگوں میں زور پہن کر شریک ہوتے تھے لیکن آخر عمر میں آپ کا یہ حال ہوا کہ جب آپ میدانِ جنگ میں آتے تو بے زور صفوں پر حملہ کرتے تھے۔ آپ کا سینہ کھلا ہوا، تن برہنہ، سب سپاہیوں کے آگے آگے دشمن پر پہلی تلوار آپ ہی کی پڑتی تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے رسولؐ کے چچا! اے صفوں کو چیرنے والے شیر! اے جواں مردوں کے بادشاہ! کیا آپ نے خدا کا محکم نہیں سنا کہ اپنے آپ ہلاکت میں نہ پڑو۔ پس آپ جان بوجھ کر جنگ کے میدان میں موت کو کیوں دعوت دیتے ہیں۔ جس زمانے میں آپ جوان تھے مضبوط و قوی تو اس زمانے میں کبھی جنگ میں بے زور نہ جاتے تھے۔ اب جب کہ آپ بوڑھے اور کم زور ہو گئے ہیں تو بے پروائی کرتے ہیں۔ بھلا تلوار کس کی رعایت کرتی ہے اور سنان و تیر کو ایسی تیز کہاں ہے۔ یہ تو بہت نا مناسب ہے کہ آپ جیسا شیر دشمن کے ہاتھوں مارا جائے۔

بے خبر ہوا خواہوں نے اس قسم کی بہت سی نصیحتیں کیں اور عبرت دلائی۔ حضرت حمزہؓ نے جواب میں فرمایا کہ جب جوان تھا تو دیکھتا تھا کہ موت سے یہ جہان ہمیشہ کے لیے چھٹ جاتا ہے، لیکن نور محمدی کے تصدق میں اب میں اس شہر فانی کا گرفتار نہیں ہوں۔ اس جاہلیت کی جوانی میں مجھے زندگی عزیز تھی اور اب اسلام کے بڑھاپے میں موت

زیادہ پیاری ہو۔



امیر بخارا کے غلام کا فرار ہونا اور واپس آنا

ایک عجیب قصہ سنو کہ صدر جہاں امیر بخارا کا ایک پروردہ غلام جس نے اپنے آقا کو عزیز تھا اسی قدر خود اپنے آقا کا دالہ و شہید تھا۔ آقا نے بھی ترقی لے کر اسے کو توال کے معزز عہدے پر سرفراز کر دیا تھا۔ اتفاق سے کسی سنگین الزام کی تہمت لگی تو سزا اور بے آبروئی کے خوف سے فرار ہو گیا۔ دس برس تک ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ کبھی خراسان چل دیا کبھی تہستان جا نکلا اور کبھی جنگل جنگل بھٹکتا پھرا۔ دس سال کی جدائی کے بعد تاب نہ رہی اور صدر جہاں کا شوق از حد بڑھ گیا۔ اس کے دل نے کہا کہ اب تو جدائی کی قوت نہیں بس اب وہیں چلوں اگر نافرمانی کی تھی تو اس سے توبہ کر کے پھر فرماں برداری اختیار کروں۔ دفعۃً سامنے بوجھاؤں اور اس کے قدموں پر گر پڑوں اور عرض کروں کہ یہ جان حاضر ہے۔ چاہے زندہ کیجیے چاہے گوسفند قربانی کی طرح ذبح کر دیجیے۔ دوسری جگہ زندگی کا بادشاہ بننے سے آپ کے قدموں میں مرنا بہتر ہے خواہ موت اختیار ہی سے ہو خواہ اضطراری سے لیکن بنیر آپ کے مسیری زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔

لوگوں نے اس کو سمجھایا کہ تیرا اب بخارا جانا خطرے سے خالی نہیں مگر اس سے رہا نہ گیا اور گرتا پڑتا بخارا آ پہنچا۔ وہاں جس کسی نے اسے دیکھا اور پہچانا اس سے یہی کہا کہ بادشاہ تجھ سے سخت ناراض ہے اور دیکھتے ہی تجھے جان سے مردا ڈالے گا۔ یہ کیا حماقت کی کہ موت کے پھندے سے نکل کر پھر اسی جاں میں پھنسنے کے لیے آیا ہے۔

اس نے کہا کہ میں مرضِ استسقا میں مبتلا ہوں مجھے پانی خود کھینچ رہا ہے، ہر چند میں جانتا ہوں کہ پانی ہی مجھے مار ڈالے گا۔ چاہے پانی سے کتنی ہی تکلیف و صدمہ پہنچے ہتسقا کی بیماری دال پانی سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ چاہے میرے ہاتھ پیرسوج جائیں اور پیٹ پھول جائے مگر پانی کا عشق کبھی کم نہ ہوگا۔ اس سزا میں کہ میں اس سے دور بھاگا تھا میں نے خود اپنے کو اس کی پچاشی کے ڈنڈے پر لٹکا دیا ہے۔

غرض ہاتھ باندھے صدر جہاں کے حضور میں پہنچا۔ وہ عاشق آنکھوں سے آنسو بہاتا جاتا تھا اور بالکل بے خود تھا۔ ایک ہاتھ میں کفن اور دوسرے میں تیغ ساتھ تھی۔ ساری مخلوق سراونچا کیے دیکھ رہی تھی کہ دیکھیے بادشاہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے، آگ میں ڈلواتا ہے یا پچاشی پر لٹکواتا ہے۔

جونہی کہ اس کی نظر صدر جہاں پر پڑی گویا اس کی جان تن سے نکل گئی۔ تن لاغر خشک لکڑی کی طرح زمین پر گر پڑا جو تالو سے پیر کے ناخن تک بالکل سرد تھا۔ لوگوں نے بخور و گلاب سے بہتیرے جتن کیے لیکن اس نے نہ حرکت کی نہ کسی بات کا جواب دیا۔ جب بادشاہ نے اس کا زرد چہرہ دیکھا تو گھوڑے سے اتر کر اس کے پاس آیا اور کہا کہ دوست کو ایسا ہی چست و چالاک عاشق چاہیے کہ جب معشوق جلوہ دکھائے تو عاشق زندہ نہ بچے۔ بے شک تو عاشق حق ہے اور حق وہی ہے کہ جہاں حق پیدا ہو وہاں تیری خودی باقی نہ رہے۔

صدر جہاں کے دل میں اس کا یہ حال دیکھ کر محبت کی لہریں اٹھنے لگیں اس کو زمین سے اٹھا کر اپنی گود میں سر لے لیا اور چہرے پر آنسوؤں کی جھڑی برسانے لگا۔ بادشاہ نے اس کے کان میں آواز دی کہ اے دیروزہ گر! دامن پھیلا، یہاں زرد و جاہر شمار ہو رہا ہے۔ تیری جان تو میرے فراق میں تڑپ رہی تھی، جب میں فراق کو دور کرنے آیا تو پھر تو کہاں غائب ہو گیا۔ اب ہوش میں آ جا اور بے خودی کو دور کر۔ جب غمزدہ وصل

سنائی دینے لگا تو مردے میں ہلکی ہلکی سی حرکت ہونے لگی۔ تھوڑی دیر میں خوشی خوشی اٹھ بیٹھا، تڑپ کر ایک دو بار صدقے پڑا اور سجدے میں گر پڑا۔ اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل کر تازہ ہو گیا اور کیفیت وصال کی لذت میں، بھرکی قید سے آزاد ہو گیا اور عرض کرنے لگا کہ ای غنقائے حق، امیری جان تمھارے بلاگردان، خدا کا شکر ہے کہ آپ عظمت کی بلندی سے میرے پاس اتر آئے۔ پھر اپنی خطا اور بد نصیبی کا اقرار اور آقا کی جدائی کے صدے بیان کر کے وہ کم زور اس قدر زار و قطار روپاکہ شریعت و وضع سب رونے لگے۔ اس کے دل سے ایسی ہاؤ ہو بے اختیار نکلی کہ عورت مرد میدان قیامت کی طرح اس کے گرد ایک جگہ جمع ہو گئے اور ان پر بھی وہی حیرت اور گزشتہ کی یاد پر نالہ و زاری کی کیفیت ظاری ہو گئی جو بازگشتہ کی کیفیت تھی۔

ای عزیز عشق دونوں عالم سے بیگانگی کا نام ہے۔ اس میں بہتر دیوانگیاں شامل ہیں اور اس کا مذہب بہتر فرقوں سے جدا ہے اور بادشاہوں کا تخت اس کے نزدیک اسیری ہے عشق کا گویا وجد و حال میں یہ گیت گاتا ہے۔ ع بندگی قید اور خدائی دوسرے۔ پس عشق کیا ہے، عدم کا دیا ہے جس میں عقل کے ہاتھ پیر ٹوٹ جاتے ہیں۔ لو اب تو بندگی اور بادشاہی کی حقیقت معلوم ہوئی۔ بس انہی دو پردوں میں عاشقی پوشیدہ ہے +



ایک لڑکے کا تقائے کے اونٹ کو ڈھول سے ڈرانا

کسی گاؤں میں کھیت کی حفاظت ایک لڑکا کیا کرتا تھا اور ایک چھوٹا سا ڈھول بجا بجا کر پرندوں کو ڈراتا رہتا تھا۔ اتفاق سے سلطان محمود کا گزرا اس طرف ہوا تو اسی کھیت کے قریب لشکر کا پڑا تو ڈالا گیا۔ اس فوج میں ایک بلند وبالا اونٹ (بختی) تھا جس پر فوجی تقاہ لادا جاتا تھا اور وہ مرغے کی طرح فوج کے آگے آگے چلتا تھا۔ فوج کی ہر نفس و حرکت پر دن رات نوبت

و تقارہ اسی اونٹ کی پیٹھ پر بجاتے تھے۔ ایک دن وہ اونٹ اس کھیت میں جا پڑا اور لڑکا گیہوں کی حفاظت کی خاطر ڈھول بجانے لگا۔ تب ایک شخص نے سمجھایا کہ اسے نادان وہ فوجی نقارے کا اونٹ ہے اس کو ایسی آوازوں کی عادت ہے۔ اسی لڑکے ! بھلا تیرے ڈھول کو وہ کیا سمجھتا ہے۔ اس پر تو اس سے میں گنا نغارہ شاہی بجا کرتا ہے +



پچھڑ کی فریاد حضرت سلیمانؑ کے پاس

گھائس اور چین کے پتوں سے پچھڑ نے آکر حضرت سلیمانؑ سے فریاد کی کہ اے سلیمانؑ! انسان و حیوان، جن و پرسی کا انصاف کرتے ہیں، ہوائی پرندے اور دریائی مچھلیاں سب آپ کی عدالت کی پناہ میں ہیں، وہ کون بد نصیب ہے جس نے آپ کی سرپرستی کا سہارا نہیں ڈھونڈا۔ ہماری داد کو پہنچے کہ ہم بہت تکلیف میں ہیں اور انصاف سے محروم ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ اے انصاف طلب کرنے والے بتا تو کس کے مقابلے میں انصاف چاہتا ہے۔ وہ کون ظالم ہے جس نے اپنی مونچھوں کے غرور پر تجھے ستایا اور تیرا منہ نوچا۔ ہمارے زمانہ حکومت میں وہ کون شخص ہے جو ظلم کرنے میں بے باک ہو۔ پچھڑ نے عرض کی ہم ہوا کے ہاتھوں بڑی مصیبت میں ہیں اور اس کے ظلم سے اس قدر تنگ آ گئے ہیں کہ اب سوائے فریاد کے کوئی علاج نہیں۔ اے بخشش و بخشائیش کرنے والے عادل! آپ ہماری داد کو پہنچے اور اس سے ہمارا بدلہ لیجیے۔ پس حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ اے سر بلی رگنی جانے والے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تیرا علیہ کا جواب لیے بغیر مدعی کی فریاد کو تسلیم نہ کر۔ اکیلا مدعی ہزاروا دہلا مجھ سے خبردار بغیر مدعی علیہ کا جواب سُننے ہوئے کسی کا دعویٰ قبول نہ کر۔ میری مجال نہیں کہ حکم الہی سے سرتابی کروں۔ لہذا جا اور اپنے مخالف فریق کو میرے پاس بلا لا۔

پتھر نے عرض کی کہ حضور کا حکم سنو، لہذا عرض ہے کہ میری دشمنی ہو اور وہ آپ کی تابع فرمان ہے۔

یہ سن کر حضرت نے فوراً پکارا کہ اے ہوا پتھر نے تجھ پر دعویٰ کیا ہے، تاریکی سے باہر نکل۔ چل، اپنے تدعی کے مقابل آ اور اپنی صفائی پیش کر۔

ہوا حکم شاہی سن کر سنسناتی ہوئی جو نبی پہنچی پتھر اسی دم بھاگ نکلا۔ حضرت سلیمان نے لکارا اے پتھر کہاں جاتا ہے، ٹھیر تاکہ دو دنوں فریق کی بات سن کر فیصلہ کروں۔ پتھر نے کہا کہ اے بادشاہ اس کی ہوت میں میری موت ہے، میری زندگی کے دن اسی کے دھتوں سے کاتے ہیں۔ جہاں وہ آجائے وہاں میرے پاتوں کیوں کر ٹیک سکتے ہیں کہ ہوا سے میری جان کا اس نکل جاتا ہے۔

ای عزیز یہی حال بارگاہِ الہی کے ڈھونڈنے والے کا ہے، جہاں خدائے جلوت فرمایا کہ ڈھونڈنے والا گم ہوا۔ اگرچہ وہ وصال مسلسل بقا ہے، لیکن اس بقا کا آغاز اپنی فنا سے ہوتا ہے +

ختم دفتر سوم مشنوی

و

حصہ اول حکایاتِ رومی

— (*) —

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu Series No. 121.

HIKĀYĀT-I-RŪMĪ

Translated from Rūmī's Maṭhnavi

by

MIRZA NIZĀM SHAH LABĪB

Revised by

MAULVI SYED HASHIMI (Farīdābādī)

Published by

The Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India),

DELHI

1939

